ماہ نامہ
ہمدرد

نونہال

اکتوبر ۱۹۸۵ء

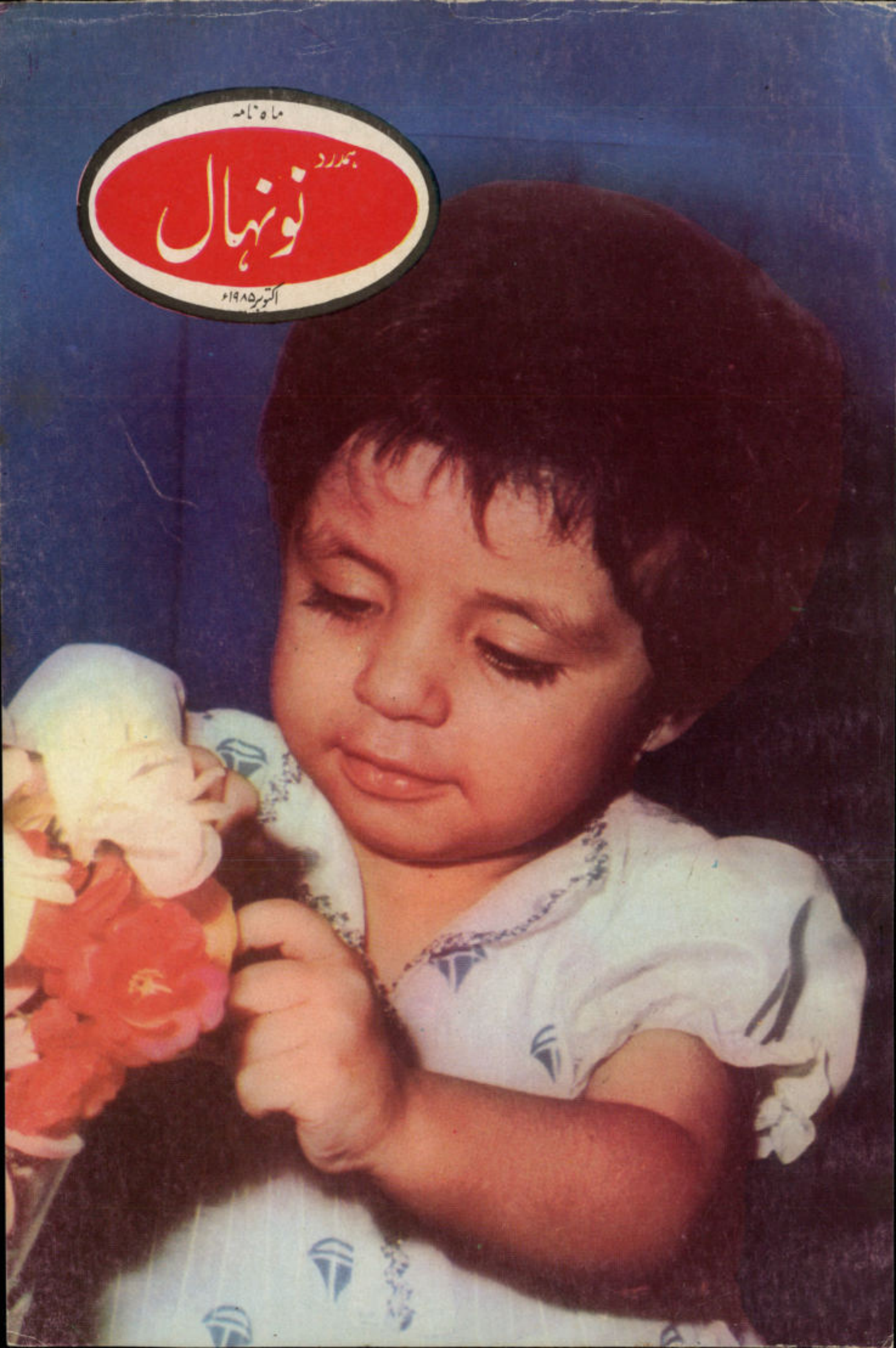

نونہال
ہمدرد گرائپ واٹر

بچوں کی صحت
بہتر پرورش

نونہال ہمدرد گرائپ واٹر بچوں کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بے خوابی پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے مفید و مؤثر دوا ہے۔ دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال ضروری ہے۔

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

نونہال ہمدرد گرائپ واٹر

بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے

ٹیلی فون: ۶۱۶۰۰۱ تا ۶۱۶۰۰۵ (۵ لائنیں)

ہمدرد نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

مجلس ادارت

صدر مجلس — حکیم محمد سعید
مدیر اعلا — مسعود احمد برکاتی
مدیرۂ اعزازی — سعدیہ راشد

محرّم — ۱۴۰۶ ہجری
اکتوبر — ۱۹۸۵ عیسوی
جلد — ۳۳
شمارہ — ۱۰

فی شمارہ — ۴ رُپے
سالانہ — ۴۵ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۸۱ رُپے

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید		۳۰	جناب شاکر عثمانی	یادگار تحفہ
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۵	۳۲	جناب علی اسد	نوجوان اور سانپ
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۶	۳۷	جناب فیض لودھیانوی	ہمدرد نونہال (نظم)
چاندنی (نظم)	محترمہ وحیدہ نسیم	۷	۳۸	جناب مناظر صدیقی	تین پڑوسی
زمین کی بہن ۔ زہرہ	ادارہ	۸	۴۲	جناب مشتاق	کارٹون
بسنتی آیا	جناب امان اللہ خان شیروانی	۱۱	۴۳	جناب معراج	خوش بُو کی تلاش
پیتل کا لوٹا	جناب م۔ ندیم	۱۵	۵۱	جناب حکیم محمد سعید	طب کی روشنی میں
ننھی چڑیا (نظم)	جناب تنویر پھول	۲۰	۵۵	باذوق نونہال	تحفے
مور	جناب اکبر حیات اکبر	۲۱	۵۹	جناب علی ناصر زیدی	ہمدرد انسائکلوپیڈیا
بربھی بوٹی	جناب کوثر چاند پوری	۲۳	۶۳	ننھے آرٹسٹ	نونہال مصور
پہاڑ کبھی نہیں ملتے	محترمہ فہمیدہ عتیق	۲۴	۶۴	ننھے صحافی	اخبار نونہال
ننھا شاعر (نظم)	جناب شفیق الرحمٰن شفق	۲۹	۶۷	مسعود احمد برکاتی	میلے میلے نوٹ

مسکراتے رہیے : ۶۹ — صحت مند نونہال : ۷۲ — بوجھو تو جانیں : ۷۵ — اس شمارے کے مشکل الفاظ : ۷۶

معلومات عامہ ۲۳۴ : ۷۷ — نونہال ادیب : ۷۹ — بزم نونہال : ۹۹ — معلومات عامہ ۲۳۲ کے جوابات : ۱۰۵

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جاگو جگاؤ

دنیا میں بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں، لیکن اب ہم بہت سوں کے نام بھی نہیں جانتے، ہاں نام اُن لوگوں کے باقی رہ جاتے ہیں جو کوئی اچھا کام کرتے ہیں۔ اچھے کام بھی بہت سے ہیں، لیکن صحیح معنوں میں اچھا کام وہ ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ فائدے بخش کام ہی یاد رکھے جاتے ہیں اور فائدہ پہنچانے والوں کو بھلایا نہیں جاتا۔ اس لیے بڑائی کا معیار ہے فیض پہنچانا اور نیکی کرنا۔

قرآنِ حکیم نے بتایا ہے کہ تم میں سے وہی لوگ اللہ کے نزدیک بڑے ہیں جو تقوے والے ہیں، یعنی اللہ سے ڈرتے ہیں، نیک ہیں، پرہیزگار ہیں، برائیوں سے بچتے ہیں، بھلائی کرکے خوش ہوتے ہیں، کسی کو آزار نہیں پہنچاتے، خدمت کرنے کے عادی ہیں، دھوکا نہیں دیتے، لوگوں کے کام آتے ہیں۔ احسان کرتے ہیں، مگر احسان جتاتے نہیں۔

غریب سے غریب آدمی بھی بڑا بن سکتا ہے۔ بڑائی کے لیے دولت کی ضرورت نہیں، حکومت کی ضرورت نہیں، بس ایک چیز کی ضرورت ہے۔ وہ ہیں اچھے اخلاق۔ اوپر جو باتیں بتائی گئی ہیں وہ سب اعلا اور اچھے اخلاق میں شامل ہیں۔ ان کو اختیار کر لو بڑے بن جاؤ گے۔ تمھارا بھی فائدہ ہے اور پاکستان کا بھی۔ پاکستان کو ایسے ہی انسانوں کی ضرورت ہے جو اخلاق و کردار کا اچھا نمونہ پیش کریں۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

Habib Bank Limited

قائم شدہ ۱۹۴۱

ہم ان کے درخشاں مستقبل کے خواہاں ہیں!

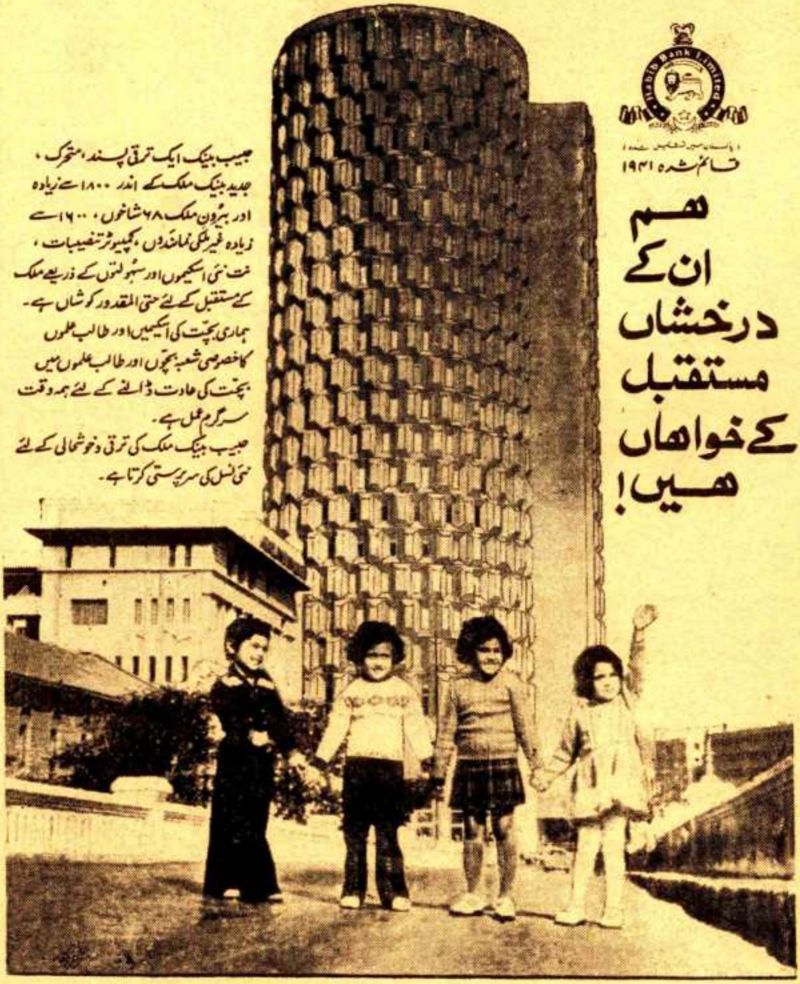

حبیب بینک ایک ترقی پسند، متحرک، جدید بینک ملک کے اندر ۱۸۰۰ سے زیادہ اور بیرونِ ملک ۶۸ شاخوں، ۱۶۰۰ سے زیادہ غیر ملکی نمائندوں، کمپیوٹر تنصیبات، نت نئی اسکیموں اور سہولتوں کے ذریعے ملک کے مستقبل کے لئے حتی المقدور کوشاں ہے۔

ہماری بچت کی اسکیمیں اور طالب علموں کا خصوصی شعبہ بچوں اور طالب علموں میں بچت کی عادت ڈالنے کے لئے ہمہ وقت سرگرم عمل ہے۔

حبیب بینک ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے نئی نسل کی سرپرستی کرتا ہے۔

حبیب بینک لمیٹڈ

PID (I)/HBL/80/ 1U

manhattan international

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

خاص نمبر کے بارے میں خط آنے شروع ہوتے ہیں۔ ابھی ابتدا ہے۔ خطوں کی تعداد روز بڑھتی جائے گی۔ ہم نے سوچا کہ جلدی جلدی اکتوبر کے شمارے سے نمٹ لیں، پھر خط تفصیل سے پڑھیں گے۔ ہم ہر خط پڑھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جگہ کی کمی کی وجہ سے بہت کم خط شائع ہوتے ہیں، لیکن نونہالوں کا منشا ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ بعض نونہال اچھے اچھے مشورے بھی دیتے ہیں۔ ان مشوروں سے ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں اور ان کی روشنی میں رسالہ مرتب کرتے ہیں۔ اس لیے نونہالوں کو یہ اطمینان رہنا چاہیے کہ ان کے مشورے بے کار نہیں جاتے۔

خطوں کے علاوہ معلوماتِ عامہ کے انعامی جوابات بھی آنے شروع ہو گئے ہیں۔ وہ بھی خاصا وقت لیں گے۔ انعامی کہانیوں کو پڑھنے میں ان سے بھی زیادہ وقت صَرف ہو گا۔ گویا خاص نمبر سے پہلے اس کی تیاری میں وقت اور محنت صَرف ہوتی ہے اور خاص نمبر کے بعد بھی اس کی ڈاک اور انعامات کے فیصلے پوری توجہ چاہتے ہیں۔

نونہالوں کے مضامین اور کہانیاں اتنی تعداد میں جمع ہو گئی ہیں کہ وہ مہینوں تک شائع ہونے کے لیے کافی ہیں، اس لیے نونہالوں سے درخواست ہے کہ وہ اب کچھ عرصے کے لیے ہمیں اپنے مضمون، کہانیاں اور نظمیں نہ بھیجیں۔ جب موجودہ ذخیرہ ختم ہو جائے گا تو ہم اعلان کر دیں گے۔ اس کے بعد نونہال اپنی تحریریں بھیجنا شروع کریں۔ نظموں کا مسئلہ تو بہت ہی ٹیڑھا ہے۔ اکثر نونہال دوسروں کی نظمیں نقل کر کے بھیج دیتے ہیں۔ اس کے بعد شکایتوں کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ اس لیے آیندہ صرف اُنھی نونہالوں کی نظم شائع ہو گی جو اپنے اسکول یا کالج کے سربراہ سے تصدیق کرا کر بھیجیں گے یا کسی مشہور شاعر کی نظم بھیجیں تو اس کا نام اور کتاب یا رسالے کا حوالہ لکھ کر بھیجیں تاکہ نظم اسی شاعر کے نام سے شائع ہو۔ بھیجنے والے نونہال کا نام بھی شائع کیا جائے گا۔ ہر تحریر کے آخر میں اپنا نام اور پتا صاف لکھیے۔

خیال کے پھول

◉ حضور اکرمؐ: تدبیر کے برابر کوئی عقل نہیں۔

مرسلہ: فرزانہ، کراچی

❖ حضرت سلیمانؑ: موزوں موقع پر مناسب بات کہنا ایسا ہی ہے جیسے چاندی کی ٹوکری میں سونے کے سیب رکھنے کی طرح ہے۔ مرسلہ: محمد ارشد مقارب، ٹنڈو الہ یار

❖ حضرت عثمانؓ: آہستہ بولنا، نیچی نگاہ رکھنا، اور میانہ چال سے چلنا ایمان کی نشانی ہے۔

مرسلہ: افشاں امین، کوئٹہ

❖ حضرت علیؓ: ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔ مرسلہ: سید ظفر قاسم، کراچی

❖ حکیم لقمان: جدو جہد نہ کرنا محتاجی کا باعث ہے۔

مرسلہ: ندیم حیدر

❖ امام جعفرؒ: شکایت کا ترک کرنا صبر ہے۔

مرسلہ: مسرت عباس جعفری، ڈھڈیال

❖ خواجہ فرید الدین شکر گنجؒ: دانا اور حکیم آدمی وہ ہے جو کسی چیز پر غرور نہ کرے۔

مرسلہ: صداقت زماں، ہری پور ہزارہ

❖ ہربرٹ اسپنسر: تمھاری زندگی میں کوئی دن ایسا نہ گزرے جس میں تم اپنے آپ میں کوئی بہتری پیدا نہ کر سکو۔ مرسلہ: معراج یاسمین، ڈیرہ اسماعیل خان

❖ والٹیر: ہر ناکامی اپنے اندر کامیابی کا پھول لیے ہوتی ہے، شرط یہ ہے کہ ہم ناکامی کے کانٹوں میں الجھ کر نہ رہ جائیں۔

❖ براؤننگ: جب انسان خود اپنے نفس سے جنگ کرتا ہے تو اس کی قدر و قیمت بڑھتی ہے۔

مرسلہ: شبانہ پروین، کراچی

❖ نامعلوم: سب سے خندہ پیشانی سے ملو۔ نہ جانے کس بھیس میں خدا مل جائے۔

مرسلہ: آمنہ عظمت، مدثر، کراچی

❖ جان میسن: مسلسل جدوجہد ہی خوشی کا سرچشمہ ہے۔

❖ جان راکے فیلر: یہ صحیح نہیں ہے کہ بے پناہ دولت رکھنے والے خوش رہتے ہیں۔

مرسلہ: قیصر ظہور، کراچی

❖ نامعلوم: الفاظ کے پیچھے مت بھاگو، خیالات کی تلاش کرو۔ جب خیالات کا ہجوم ہوگا تو لفظ خود بہ خود چلے آئیں گے۔ مرسلہ: عابدہ پروین، کراچی

❖ نپولین: وقت کو پیچھے سے مت پکڑو اسے آگے سے روک کر اس پر قابو پانے کی کوشش کرو۔

مرسلہ: روبینہ میر، راول پنڈی

چاندنی

وحیدہ نسیم

وقت آگیا اب رات کا   پھر تھم گئی چلتی ہوا
خاموش ہے ساری فضا   چاروں طرف ایک نور سا
برسا رہی ہے چاندنی

دیکھو وہ بادل آ گئے   اور چاندنی پر چھا گئے
اس نور کے آنچل میں اب   اس قید اس بادل میں اب
گھبرا رہی ہے چاندنی

اے لو وہ بادل چھٹ گئے   اور چاند پر سے ہٹ گئے
ہر ہر در و دیوار پر   دریا پہ اور کوہسار پر
پھر چھا رہی ہے چاندنی

اب تو صبح ہونے لگی   کچھ بڑھ چلی ہے روشنی
رخصت ہوئے تارے بھی سب   روتی ہوئی شبنم کو اب
بہلا رہی ہے چاندنی

زمین کی بہن : زہرہ

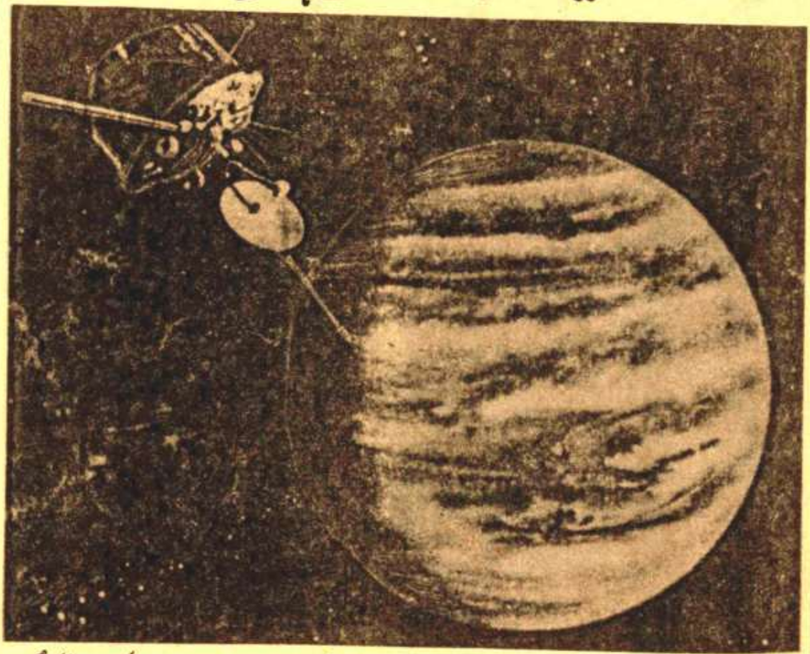

ہمیں اپنی زمین سے جتنے بھی سیارے نظر آتے ہیں اُن میں چاند اور سورج کو چھوڑ کر زُہرہ (زُہْ رَہْ) سب سے زیادہ روشن اور چمک دار ہے۔ اس کی جسامت، اس کا پھیلاؤ، وزن اور سورج سے فاصلہ تقریباً اتنا ہی ہے جتنا ہماری زمین کا۔ اسی لیے زہرہ کو زمین کی بہن کہا جاتا ہے۔ جب تک مصنوعی سیّارے تیار نہیں کیے گئے تھے اور انسان نے خلا میں قدم نہیں رکھا تھا اُس وقت زہرہ کے متعلق ہم اتنی باتیں نہیں جانتے تھے جتنی آج جانتے ہیں۔ یہ ساری معلومات ہمیں ان مصنوعی سیّاروں اور خلائی جہازوں کے ذریعہ سے پچھلے چند برسوں میں حاصل ہوئی ہیں۔ یہ مصنوعی سیّارے امریکا اور روس نے خلا کی تحقیقات کے لیے بھیجے تھے۔ ان مصنوعی سیّاروں میں ایک زہرہ کے گرد گھومنے والا "پائنیر" خلائی جہاز بھی ہے۔ یہ خلائی جہاز امریکا نے ۱۹۷۸ء سے خلا میں چھوڑ رکھا ہے۔ اس نے ہمیں ہزاروں تصویریں

بھیجی ہیں۔ ان کے علاوہ ہزاروں پیمائشیں بھی بھیجی ہیں۔ جن سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زہرہ کتنا بڑا سیارہ ہے۔

ہم اگر دُوربین سے زہرہ کی طرف دیکھیں تب بھی ہمیں اُس کی ٹھوس سطح نظر نہیں آسکتی، کیوں کہ زہرہ کے چاروں طرف ہر وقت گہرے بادل چھائے رہتے ہیں۔ پائنیر نے جس کا پورا نام "پائنیر وینس آربیٹر" ہے، جو تصویریں ہمیں بھیجی ہیں اُن سے ہمیں بادلوں کی تہوں اور اُن تیز ہواؤں کے متعلق معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ یہی ہوائیں زہرہ کے گرد چھائے ہوئے بادلوں کو ہمیشہ سیّارے کے گرد گھماتی رہتی ہیں۔ یہ بادل زہرہ کے گرد پھیلے ہوئے ہوائی غلاف یا کرۂ ہوائی کا ایک خاص حصّہ ہیں۔

زہرہ کے متعلق یہ بات بڑی عجیب ہے کہ اس سیّارے پر ہماری زمین کے مقابلے میں سوگنا زیادہ ہوا ہے، لیکن یہ ہوا بڑی عجیب ہے یعنی تم اس ہوا میں سانس نہیں لے سکتے، کیوں کہ اس ہوا میں اوکسیجن نہیں ہے۔ تھوڑی سی نائٹروجن گیس ہے۔ ہماری زمین کے چاروں طرف ہوا کا جو کُرہ ہے وہ انھی دونوں گیسوں سے مل کر بنا ہے۔ ان گیسوں کے بجائے زہرہ میں جو ہوا ہے اس میں زیادہ تر کاربن ڈائی اوکسائڈ ہے۔ کچھ حصّہ سلفر ڈائی اوکسائڈ کا بھی ہے۔ بہت معمولی سے پانی کے بخارات بھی ہیں۔ اس وجہ سے زہرہ کی آب وہوا زمین کی آب وہوا سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری زمین پر تو کبھی کبھی اور کہیں کہیں بادل چھائے رہتے ہیں، لیکن زہرہ پر ہر وقت اور ہر جگہ بادل چھائے رہتے ہیں۔ ہمارے بادل پانی کے بخارات کے ننّھے ننّھے قطروں سے مل کر بنتے ہیں اور زہرہ کے بادل گندھک کے تیزاب کے قطروں سے بنے ہوئے ہیں۔ یہ بادل سورج کی روشنی کو زیادہ مقدار میں منعکس کرتے ہیں اسی لیے زہرہ ہمیں زیادہ چمک دار یا روشن نظر آتا ہے۔

زہرہ کے کرہ ہوائی کا ایک اور اثر بھی ہوتا ہے۔ یہ کرہ ہوائی زہرہ کو بہت بڑے کمبل کی طرح لپیٹے ہوئے ہے، اس لیے یہ زہرہ کی سطح کو گرم رکھتے ہیں، کیوں کہ سورج کی روشنی ان بادلوں سے بہت بڑی مقدار میں منعکس ہوتی ہے۔ سورج کی زیادہ تر شعاعیں ان بادلوں کو چیر کر زہرہ کی سطح تک پہنچ جاتی ہیں اور اس کی سطح کو گرم کر دیتی ہیں، پھر زہرہ

کی سطح سے یہ گرمی شعاعوں کی صورت میں خارج ہوتی ہے، لیکن اس کے چاروں طرف خاص قسم کی ہوا کا جو غلاف ہے اس کی گیسیں خاص طور پر کاربن ڈائی اوکسائڈ اس گرمی کا بڑا حصّہ جذب کر لیتی ہے، جس کی وجہ سے زہرہ کی سطح گرم ہی رہتی ہے اور اس کے چاروں طرف پھیلا ہُوا ہوا کا کُرہ بھی گرم ہو جاتا ہے۔

ہماری زمین کے گرد ہوا کا جو کُرہ ہے وہ بھی اسی طرح کام کرتا ہے اور ہمیں گرم رکھتا ہے۔ لیکن ہماری زمین کی ہوا کا غلاف بہت پتلا ہے اور اس میں کاربن ڈائی اوکسائڈ کی مقدار بہت کم ہے، جو گرمی جذب کرنے کے معاملے میں ہمارے لیے فائدہ مند ہے۔ اگر زہرہ پر ہوا کا غلاف زمین کی طرح پتلا ہوتا تو وہاں زمین کے مقابلے میں گرمی کچھ ہی زیادہ ہوتی۔ لیکن زہرہ کی سطح کا درجۂ حرارت ۹۰۰ درجے فارن ہائٹ ہے۔ یوں سمجھیے کہ تندور وغیرہ میں جو درجۂ حرارت ہوتا ہے زہرہ کا درجۂ حرارت اُس سے بھی زیادہ ہے۔ اس سے تمھیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ زہرہ پر پانی کیوں نہیں ہے۔ وہاں کسی زمانے میں پانی ہوگا بھی تو وہ کبھی کا بھاپ بن کر اُڑ چکا ہوگا۔ دنیا میں جہاں بھی سب سے زیادہ گرمی پڑتی ہے، زہرہ کی سطح اس جگہ سے کہیں زیادہ گرم اور خشک ہے۔

زہرہ سیّارے کے متعلق یہ سب باتیں جان کر تم سوچ رہے ہوگے کہ ہماری زمین کے قریب جو دوسرے سیّارے ہیں جنھیں زمین کا پڑوسی کہہ سکتے ہیں اُن کی حالت کیا ہوگی؟ ہماری زمین کا ایک پڑوسی سیارہ مریخ ہے۔ اس کے چاروں طرف جو کُرۂ ہوائی ہے وہ ہماری زمین کے کُرۂ ہوائی کا صرف سوواں حصّہ ہے۔ اس پر ہوا کا غلاف بہت پتلا ہے اس لیے مریخ پر دن میں جُھلسا دینے والی گرمی ہوتی ہے اور رات کے وقت سخت سردی ہوتی ہے۔

جو سائنس داں مختلف سیّاروں کا مطالعہ کر رہے ہیں اُنھیں یقین ہے کہ کُرۂ ہوائی بہت اہم ہوتا ہے۔ کسی بھی سیّارے کے ہوا کے غلاف میں معمولی سا فرق آب و ہوا میں بڑی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ اب زہرہ اور مریخ کے کُرۂ ہوائی کے متعلق غور کرو تو تمھیں احساس ہوگا کہ ہماری زمین کا کُرۂ ہوائی نہایت عمدہ ہے۔ زہرہ اور مریخ سے زمین کا مقابلہ کیا جائے تو یہ سوچ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ ہم واقعی بڑے خوش قسمت ہیں جو زمین جیسے سیارے پر رہتے ہیں۔

بسنتی آپّا

امان اللہ خاں شیروانی

پچاس برس پہلے ایک بڑی بوڑھی تھیں۔ اُن کا نام بسنتی آپّا تھا۔ آپّا میری کھلائی تھیں۔ مجھے ہی نہیں میرے ابّا کو اور میرے سب بہن بھائیوں کو بھی انھوں نے کھلایا تھا۔ ہم سب کا بچپن اُن کی گود میں گزرا۔ جب بھی امّاں یا ابّا کسی بات پر ناراض ہو جاتے تو ہم لوگ سیدھے بھاگ کر آپّا کی گود میں چھپ جاتے تھے۔ آپّا بڑے پیار سے چپٹا لیتی تھیں اور اپنے دوپٹّے کے کونے میں بندھی ہوئی کھانے کی چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ ضرور دیا کرتی تھیں۔ دوپٹّے کے کونے میں مختلف قسم کی چیزیں بندھی رہتی تھیں، جیسے مونگ پھلی، چنے، ریوڑیاں، گُڑ اور بتاشے وغیرہ

بسنتی آپّا صورت میں ذرا بھی اچھی نہیں تھیں۔ ٹیڑھی میڑھی ہڈیوں کا ڈھانچا، سکڑی ہوئی کھال، توے جیسا رنگ، سر پر چڑیا کا گھونسلا، چہرے پر گوشت کا نام نہیں، ہاں آنکھیں ضرور اُجلی اُجلی تھیں۔ ان میں بچّوں کے لیے محبّت بھری رہتی تھی۔ وہ ہر وقت مُسکراتی رہتی تھیں۔

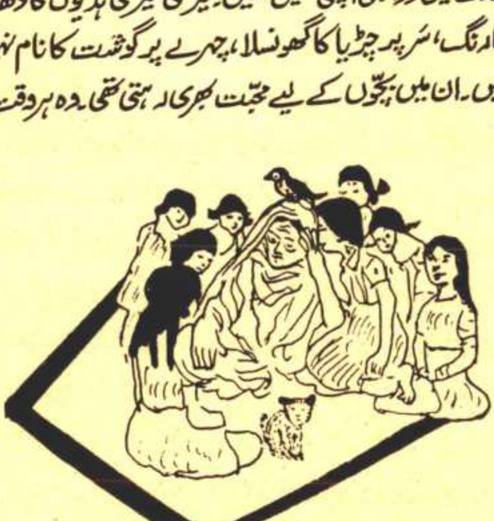

وہ میلی کچیلی رہتی تھیں، لیکن ان کے گود میں منھ چھپا کر بڑی فرحت ملتی تھی۔ وہ خوش بُو آج تک یاد آتی ہے۔ بڑے لوگ کہتے ہیں کہ بسنتی بہت گندی رہتی ہے، اس کے بدن سے بد بُو آتی ہے۔

ایک عجیب بات تھی۔ اَیّا خود تو میلی کچیلی رہتی تھیں، لیکن صاف ستھرے بچّوں کو زیادہ پسند کرتی تھیں اور ایسے بچّوں کو زیادہ پیار کرتی تھیں۔ وہ ایک کہانی سُنایا کرتی تھیں، "ان راتوں میں جب چندا ماموں پورے جوان ہو جاتے پریاں اُن سے ملنے اس دنیا میں آتی ہیں۔ پھر وہ سب بچّوں کے پاس بھی جاتی ہیں اور جو بچّے صاف ستھرے ہوتے ہیں انھیں پیار کرتی ہیں اور سیر کرانے اپنے دیس لے جاتی ہیں، لیکن میلے کچیلے بچّوں سے دُور دُور رہتی ہیں۔" گندے بچّے یہ بات سُن کر فوراً کپڑے بدلنے اور منھ دھلوانے اپنی ماؤں کے پاس دوڑ جاتے تھے۔

ایک بات اَیّا میں اور عجیب سی تھی۔ وہ کپڑے کی گڑیا سے بہت ڈرتی تھیں۔ نہ معلوم کس نے یہ بات کھوج نکالی تھی۔ جب بھی بچّوں یا بڑوں کو لطف لینا ہوتا تھا ایک کپڑے کی گڑیا اَیّا کی گود میں ڈال دیتے بس پھر کیا تھا۔ ایا ناچی ناچی پھرتی تھیں۔ طرح طرح کی آوازیں نکالتیں، مگر بُرا کسی کو نہیں کہتی تھیں۔ بس کونوں میں چھپتی پھرتیں۔ بچّے پیچھے پیچھے گڑیا لیے ہوئے انھیں ڈھونڈتے پھرتے تھے۔

بچّوں کے علاوہ انھیں جانوروں سے بھی بہت پیار تھا۔ کتّے، بلّی، مُرغیاں، بکریاں اور شاید چوہے تک اُن کے دوست تھے۔ ان دوستوں کو وہ اپنے کھانے میں سے کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتی تھیں اور چپکے چپکے باتیں بھی کرتی تھیں۔ جس طرح بچّے انھیں گھیرے رہتے تھے جانور بھی انھیں گھیرے رہتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ گھر کا توتا کسی طرح پنجرے سے نکل کر اُڑ گیا۔ بسنتی اَیّا کو معلوم ہوا تو بہت روئیں، کھانا تک نہیں کھایا۔ ہر وقت "میاں مٹھو، میاں مٹھو" پکارا کرتیں۔ دو تین دن بعد وہ توتا اُن کے سر پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر نہ پوچھو کتنی خوش ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کوئی قریبی عزیز کھو گیا تھا اور پھر مل گیا ہے۔

اَیّا محنتی بہت تھیں۔ ہر وقت کاموں میں لگی رہتی تھیں۔ کبھی نچلی تو بیٹھتی ہی نہ تھیں۔ ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد معلوم ہوتا تھا، کام۔ کام کے علاوہ نہ کوئی دکھ نہ کوئی درد، نہ

کوئی خواہش اور نہ کسی بات سے بیزاری۔ چکّی پیس رہی ہیں اور آپ ہی آپ مسکرا رہی ہیں۔ کبھی کبھی خود سے باتیں بھی کرتی جاتی تھیں۔ جھاڑو دیتی جا رہی ہیں اور کوئی گیت گنگناتی جا رہی ہیں۔ برتن مانجھنے میں ان کی چمک دمک دیکھ کر خوش ہو رہی ہیں۔ مُسکرا رہی ہیں اور اپنی شکل ان میں دیکھتی جا رہی ہیں۔ غرض کہ کام ہی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ کام ہی ان کی منزل۔ اتفاق سے ذرا سی دیر کے لیے فرصت مل جاتی تو ڈیوڑھی پر جا بیٹھتیں اور خود ہی اپنے ہاتھ پیر دبانے لگتی تھیں۔ کسی نے پوچھا، "بسنتی کیا ہوا؟" ان کا جواب ہوتا، "ہاتھ پاؤں ٹوٹ رہے ہیں۔"

پھر کوئی کام مل گیا بس ہاتھ پاؤں ٹھیک ہو گئے۔ بدن میں پھرتی آ گئی اور چہرے پر مسکراہٹ۔ کچھ تو کام ان کے سپرد تھے ہی اور کچھ وہ خود نکال لیا کرتی تھیں۔ کچھ نہیں تو تالاب کے کنارے سے مٹّی لا کر چولھا چکّی توڑ توڑ کر پھر بناتی تھیں۔ گھر میں کوئی بھی واقعہ ہو جائے انھیں کچھ خبر نہیں ہوتی تھی۔ انھیں تو بس کام سے مطلب رہتا تھا۔ کام ہی ان کی تفریح تھی اور کام ہی ان کا ساتھی۔ اس لیے سب کی ہمدرد اور سب کے لیے قابلِ احترام۔ آج بھی جب انھیں اللہ میاں کے ہاں گئے ہوئے پچاس برس کے قریب ہو گئے قصبے میں پرانے لوگ ان کا نام بڑے ادب سے لیتے ہیں۔ ایسی بیبیاں اب اس دنیا میں کہاں۔

بوجھو تو جانیں ــــ ستمبر کا جواب ــــ ۵ مکّھیاں

اِک نیا معیار
ڈیزائن بیشمار
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل
Goldfish
DELUXE PENCIL
بین الاقوامی معیار کے مطابق دیدہ زیب
ڈیزائنوں میں اپنی نوعیت کی واحد
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل —
دیکھنے میں دلکش استعمال میں بہترین
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل
ہر دکان / اسٹور اور اسٹیشنرز سے
دستیاب ہیں۔
شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی ۸۸ - ایس - آئی - ٹی - ای - کراچی
فون : ۲۹۳۴۵۱، ۲۹۳۴۵۲

Midas Khi

پیتل کا لوٹا

م - ندیم

بہت دِنوں کی بات ہے کسی شہر میں ایک مال دار آدمی رہتا تھا۔ اس کا نام فقیر چند تھا۔ وہ شہر کا سب سے مال دار آدمی تھا، مگر کنجوس مکھی چُوس بھی تھا۔ اس کا حُلیہ بھی عجیب تھا۔ باہر کو نکلی ہوئی توند، چھوٹا سا قد، جب وہ چلتا تو معلوم ہوتا تھا کہ فُٹ بال لڑھک رہی ہے۔ فقیر چند کی بیوی بہت اچھی عورت تھی۔ وہ غریبوں کی مدد کیا کرتی تھی۔ منگل کے دن تو سیٹھ فقیر چند کی حویلی کے دروازے پر سارے شہر کے فقیروں اور اپاہجوں کا ہجوم رہتا تھا، کیوں کہ اُس دن سیٹھ کی بیوی ہر فقیر کو ایک پاؤ آٹا خیرات دیا کرتی تھی۔ سیٹھ جی کو یہ بات بہت بُری لگتی تھی مگر وہ بیوی سے ڈرتے بھی تھے، اس لیے کچھ کہتے نہ تھے۔ ایک بار سیٹھ جی نے بیوی کو سمجھایا بھی تھا، "ان فقیروں سادھوؤں کو خیرات دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ سب کام چور ہوتے ہیں۔ ہماری رحم دلی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ مفت خوری کرتے ہیں۔ آٹا بازار میں بیچ دیتے ہیں اور افیم کھاتے ہیں۔ دَم لگاتے ہیں اور موج کرتے ہیں۔ یعنی ہم سب کو بے وقوف بناتے ہیں۔" اس بات پر بیوی نے سیٹھ جی کو اُلٹی سیدھی سُنائی تھیں اور کہا تھا، "بھگوان نے ہمیں جو اتنی ساری دولت دی ہے وہ اسی خیر خیرات کا نتیجہ ہے۔" پھر اس نے سیٹھ جی کو ان کی غریبی کا زمانہ یاد دلایا، جب ان کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ سیٹھ جی کو اس بات سے سخت چڑ تھی کہ کوئی ان کا بیتا ہوا زمانہ یاد دلائے کہ وہ کیا تھے اور اب کیا ہیں، کیوں کہ وہ اپنے کو خاندانی سیٹھ کہتے تھے، اس لیے وہ چُپ ہو رہے۔

دنیا کے دوسرے مال دار آدمیوں کی طرح سیٹھ فقیر چند کو بھی اپنی دولت بڑھانے کی فکر لگی رہتی تھی۔ ان کے گودام میں شکر، نمک، تیل، گیہوں، چاول اور دالوں کے انبار لگے رہتے تھے۔ وہ شہر کے سب سے بڑے تھوک بیوپاری تھے۔ جب قیمتیں بڑھتیں تو سیٹھ جی کا خون بڑھ جاتا اور اگر بھاؤ گھٹتا تو سیٹھ جی پریشان ہو جاتے۔ ان کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی۔ بھوک غائب ہو جاتی۔

ایک سال ایسا ہوا کہ ملک میں بارش نہیں ہوئی۔ قحط پڑ گیا۔ اناج بازار سے غائب ہو گیا اور غلّے کی قیمتیں بہت بڑھ گئیں۔ سیٹھ جی نے اناج کی فروخت بند کر دی، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اناج کی قیمتیں اور بڑھیں گی۔ منگل کے دن شہر کے فقیروں اور اپاہجوں کو جو آٹا ملا کرتا تھا وہ بھی ملنا بند ہو گیا۔

ایک دن صبح صبح سیٹھ جی ناشتا کر کے آرام سے بیٹھے حقّہ پی رہے تھے۔ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا، "سیٹھ فقیر چند جی، آپ کی دولت بڑھے۔ آپ کی صحت اچھی رہے۔ میں غریب آدمی ہوں۔ میرے بچّے بھوک سے مر رہے ہیں۔ مجھے چند سیر چنے دے دیجیے۔ میں چنے کھلا کر ان کا پیٹ بھر دوں گا اور آپ کو ساری زندگی دعائیں دوں گا۔"

سیٹھ کو بہت غصّہ آیا اور انھوں نے اسے ڈانٹ پلائی اور بھگا دیا۔ دوسرے دن وہ آدمی پھر آیا۔ اس کے ہاتھ میں پیتل کا لوٹا تھا۔ سیٹھ جی نے اسے دیکھا تو غصّے سے بولے، "اب کس لیے آئے ہو؟ میں تم کو ایک دانہ بھی نہیں دے سکتا۔ اپنی خیر چاہتے ہو تو یہاں سے فوراً نکل جاؤ ورنہ ....."

اس آدمی نے سیٹھ جی کی بات کاٹ کر کہا، "مگر سیٹھ جی، آپ ہی کے فائدے کی بات ہے۔ آپ مجھے نہیں پہچانتے، کوئی بات نہیں۔ کم از کم اس پیتل کے لوٹے کو تو پہچانتے ہی ہوں گے۔ اس پر آپ کا نام بھی کھدا ہوا ہے ۔۔ فقیر چند ولد گھسیٹ چند۔ شاید آپ کو یاد ہو۔ جب آپ نئے نئے شہر میں آئے تھے تو یہ لوٹا رامو بھڑبھونجے کے پاس چار آنے میں گروی رکھا تھا اور آپ نے رسید بھی لکھ دی تھی۔ یہ بات ذرا پرانی ہے، کوئی بیس سال پہلے کی۔ آپ اسے چھڑانا بھول گئے۔ خیر کوئی بات نہیں بڑے لوگوں کی یادداشت ہمیشہ کم زور ہوتی ہے۔ میرا فرض تھا کہ میں آپ کی چیز کو واپس کر دوں۔ کیا خیال ہے؟ کچھ یاد آیا آپ کو؟"

سیٹھ جی کا غصّہ یہ سنتے ہی کافور ہو گیا۔ انھوں نے ادھر اُدھر دیکھا کہ کوئی ان کی بات چیت تو نہیں سُن رہا ہے۔ پھر کہنے لگے، "ہاں، ہاں، مجھے خوب یاد ہے۔ تم نے اچھا کیا میرا لوٹا لے آئے۔ میں ابھی تمھیں چار آنے دیتا ہوں۔ میرا لوٹا مجھے دے دو۔"

رامو ہنسا، "ہا ہا! سیٹھ جی آپ مذاق کر رہے ہیں۔ بیس سال میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ جب آپ کی جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ آپ کا لباس ایک پھٹی دھوتی تھا۔ آپ کے پاس صرف ایک پیتل کا لوٹا تھا۔ آپ جب کنگال تھے۔ اب لکھ پتی ہیں۔ جب فقیر چند تھے اب سیٹھ فقیر چند ہیں۔ ذرا آپ ہی ایمان داری سے کہیے، اس نایاب پیتل کے لوٹے کی قیمت کیا چار آنے ہی رہے گی۔"

"اچھا تو میں اس کی قیمت پانچ رُپے دوں گا۔ لاؤ میرا لوٹا مجھے واپس کر دو۔"

رامو نے اس لوٹے کو انگلیوں پر نچاتے ہوئے کہا، "دیکھیے اس پر آپ کا نام بھی لکھا ہے۔ آپ نے جو رسید لکھی تھی اُس پر آپ کے دستخط بھی ہیں وہ بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ میں سوچتا ہوں اس لوٹے کو بازار میں نیلام کر دیا جائے۔ آپ بھی وہیں قیمت لگائیے۔ بھلا سیٹھ فقیر چند کا لوٹا! اس کی قیمت تو ایک ہزار بھی کم ہے۔ ایک۔ دو۔ تین۔ ... سیٹھ فقیر چند کا گروی رکھا ہوا پیتل کا لوٹا، پھر سارا شہر جان لے گا کہ سیٹھ فقیر چند بیس سال پہلے کیا تھے۔ اچھا سیٹھ فقیر چند جی اب میں چلتا ہوں۔ آپ کا لوٹا میرے پاس حفاظت سے رہے گا۔" یہ کہہ کر رامو دروازے پر سے نکل کر یہ جا وہ جا۔ سیٹھ اُسے بُلاتے ہی رہ گئے، مگر وہ نہ رُکا۔

سیٹھ جی کو سکتہ سا ہو گیا۔ بھوک غائب، نیند کوسوں دُور۔ ان کو رہ رہ کر یہ خیال پریشان

کر رہا تھا کہ اگر اس رامو بھڑبھونجے نے ان کا راز فاش کر دیا تو کیا ہوگا۔ ان کی ساری عزّت خاک میں مِل جائے گی۔ لوگ کیا کہیں گے۔ سیٹھ فقیر چند جس کو لوگ جھک کر سلام کرتے ہیں جس کا لاکھوں رُپیہ بینک میں جمع ہے، جس کی عزّت سارے شہر میں ہے، وہ ایسا غریب آدمی تھا کہ پیتل کا لوٹا ایک بھڑبھونجے کے پاس گروی رکھا؟ سیٹھ کو اپنے اوپر غصّہ آرہا تھا، مگر سچ بات تو یہ تھی کہ انھیں کیا پتا تھا کہ بیس سال بعد وہ لکھ پتی بن جائیں گے۔

بیس سال پہلے سیٹھ فقیر چند واقعی غریب آدمی تھے۔ وہ اپنے گاؤں سے نوکری کی تلاش میں شہر آئے۔ جیب میں پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ کسی طرح پیدل سفر کرتے کرتے شہر تک آگئے تھے نئی جگہ جان نہ پہچان۔ بھوک نے الگ پریشان کیا۔ ناچار ہو کر ایک ترکیب سمجھ میں آئی۔ انھوں نے اپنا پیتل کا لوٹا گروی رکھا اور چار آنے کی رسید لکھ دی۔ دو پیسے کے چنے لیے اور پیٹ بھرا۔

پھر فقیر چند کو ایک سیٹھ کے ہاں منیم گیری کی نوکری مل گئی۔ یہ سچ ہے کہ فقیر چند نے اتنی محنت اور ایمان داری سے کام کیا کہ سیٹھ کا اعتبار ان کو حاصل ہو گیا۔ تجوریوں کی چابیاں ان کے قبضے میں رہنے لگیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ سیٹھ اچانک بیمار پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئے۔ فقیر چند کی نیت میں فتور آگیا۔ تجوری کھول کر انھوں نے ایک تھیلی نکال کر چھپا دی۔ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ سیٹھ کی موت کے بعد دولت کی تقسیم کے معاملے پر ان کے لڑکوں میں جھگڑا اچلا۔ فقیر چند کام سے الگ ہو گئے۔ شہر کے ایک کونے میں چھوٹی سی دُکان کھول کر بیٹھ گئے رفتہ رفتہ دُکان بڑھی اور فقیر چند سیٹھ فقیر چند بن گئے۔

سوچ سوچ کر سیٹھ جی ہار گئے۔ آخر ان سے نہ رہا گیا۔ دوسرے دن سویرے ہی وہ رامو بھڑبھونجے کی دُکان پر پہنچے۔ دیکھا تو ان کا لوٹا رسّی سے بندھا ہوا چھپّر سے لٹک رہا تھا۔ سیٹھ جی کو دیکھ کر رامو مسکرایا اور بولا، "سیٹھ جی! آپ نے ناحق تکلیف کی۔ میں خود حاضر ہو جاتا۔ بتائیے میرے لیے کیا خدمت ہے؟"

سیٹھ کار سے اُترے اور رامو کے ساتھ اس کے ٹوٹے پھوٹے گھر میں گئے۔ رامو نے ان کو چار پائی پر بٹھایا، خود زمین پر بیٹھا۔ سیٹھ کو رامو کا گھر اور اس کا حُلیہ دیکھ کر اپنی بیس سال پہلے کی زندگی یاد آگئی۔ جب ان کی حالت بھی تقریباً ایسی ہی تھی۔

"رامو میں تم کو ایک ہزار رُپیہ دوں گا۔ میرا لوٹا مجھے دے دو۔"

"سیٹھ جی آپ کا لوٹا آپ کے قدموں پر حاضر کر دوں گا۔ مجھے ایک پیسہ بھی نہیں چاہیے۔ آپ کی دولت آپ کو مبارک۔ میں اتنا ہی کہوں گا کہ آپ بھی کبھی اتنے ہی غریب تھے، یعنی ہماری ہی برادری کے ایک معمولی سے آدمی۔۔۔۔ آج آپ بڑے آدمی ہیں۔ اپنے آپ کو اور اپنے بھائیوں کے دُکھ درد کو بھول گئے ہیں۔ آپ کے گوداموں میں غلّہ پٹا پڑا ہے۔ ان گنت انسان بھوکوں مر رہے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو بھوکے مرتے انسان بچ سکتے ہیں۔ آپ کو اپنی عزت کی فکر ہے، بھوکے مرتے انسانوں کی نہیں۔"

"تو تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مرتے ہوئے انسانوں کو بچائیے۔ اسی میں سچی خوشی ہے۔ یہ آپ کا فرض بھی ہے۔ میں آپ کا لوٹا نیلام کر سکتا ہوں، مگر میں اتنا ذلیل آدمی نہیں۔ غریب ضرور ہوں۔ آپ کو لوٹے کی کتنی فکر ہے، یہ آپ کے چہرے سے ظاہر ہے۔ کاش آپ کو اتنی ہی غریبوں کی فکر ہوتی۔"

"بس کرو رامو، بس کرو۔ تم سچ کہتے ہو۔ تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں ایک ایک دانہ مفت بانٹ دوں گا۔" یہ کہہ کر سیٹھ جی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ایک ہفتے تک سیٹھ فقیر چند کے گوداموں سے غریبوں کو مفت غلّہ بٹتا رہا۔ یہی نہیں سیٹھ فقیر چند نے کئی ہزار کی رقم اور کپڑا مفت غریبوں میں تقسیم کرنے کے لیے بھی دیا۔ پھر شہر کے دوسرے آدمیوں نے بھی سیٹھ کی دیکھا دیکھی ایسا ہی کیا۔

سیٹھ کی بیوی اور دوسرے لوگ سیٹھ کی دریادلی پر حیران تھے، مگر یہ بات صرف رامو جانتا تھا کہ یہ ساری کرامت پیتل کے لوٹے کی تھی۔

ننّھی چڑیا

تنویر پھول

ننّھے نے اک چڑیا پالی سندر، دل کش، بھولی بھالی
گیت سہانے گانے والی شرما جائے کوئل کالی!
ننّھی چڑیا بھولی بھالی

ننّھے نے جب اس کو پایا قید کیا، گلشن میں لایا
باغ میں پنجرے کو لٹکایا مالی کرتا ہے رکھوالی!
ننّھی چڑیا بھولی بھالی

پَر اس کے ہیں کیسے رنگیلے دل کش، نازک اور سجیلے
نغمے پیارے اور سُریلے گیتوں سے دل موہنے والی
ننّھی چڑیا بھولی بھالی

ننّھا خوش ہے اس کو پا کر خوش کرتی ہے گانا گا کر
کہتا ہے یہ ننّھا آ کر اپنا گیت سُنا متوالی
ننّھی چڑیا بھولی بھالی

ننّھی چڑیا ہے البیلی پھولوں اور کلیوں کی سہیلی
ننّھا پنجرہ اس کی حویلی سب چڑیوں سے شان نرالی
ننّھی چڑیا بھولی بھالی

میٹھے میٹھے راگ سنائے گیت سہانے ہر دم گائے
دھرتی پر امرت برسائے پھیلائے ہر سُو خوش حالی
ننّھی چڑیا بھولی بھالی

باغ میں جب یہ گانا گاتی پھول کے دل کو بھی ہے بھاتی
سینکڑوں چڑیوں کو ہے بُلاتی خوش ہے اب گلشن کا مالی
ننّھی چڑیا بھولی بھالی

مور

پرندوں میں آسمانوں کے شہنشاہ عقاب کے بعد مور کا نمبر آتا ہے۔ خوب صورت پرندوں میں مور سب سے نمایاں ہے۔ اپنے حُسن و جمال، قدوقامت اور بانکی مستانی چال کی وجہ سے مور کو سب پرندوں پر فضیلت حاصل ہے۔ مور کا شمار اُن پرندوں میں ہوتا ہے جن کے سر پر واقعی تاج ہے۔ مور کا تعلق دراصل تیتر کے خاندان سے ہے جو انتہائی حسین و جمیل اور رنگ برنگے پرندوں کا خاندان ہے۔ اس خاندان کے نر اپنی مادہ کی نسبت قدوقامت میں بڑے، شوخ، حسین اور دل کشی کے مالک ہوتے ہیں۔

مور کا اصل وطن مشرقِ بعید ہے۔ مور دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک عام قسم کے مور پاؤکر ٹیلٹس جو بنگلا دیش، پاکستان، ہندُستان اور سری لنکا میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے پَروں کا رنگ نیلا ہوتا ہے۔ دوسرا سبز رنگ کے سینے والا مور پاؤ موٹیکس ہے۔ یہ آسام، برما، ملائشیا اور سماٹرا میں ملتا ہے۔ اس کی گردن سنہری ہوتی ہے۔ جاپان میں سفید مور بھی ملتے ہیں، جو اپنی سادگی کے باوجود بڑے پیارے لگتے ہیں۔ مور کا جسم تین سے سوا تین فیٹ لمبا اور وزن تقریباً ساڑھے پانچ کلو گرام ہوتا ہے۔ مور کے دُم کے پروں کی نشوونما میں تقریباً دو سال کا عرصہ لگتا ہے۔ عام طور پر دُم کے پَر ۵۵ سے ۶۲ انچ لمبے ہوتے ہیں۔ گرمیوں کے اختتام پر دُم کے پَر جھڑنے لگتے ہیں، لیکن سردیاں شروع ہوتے ہی دوبارہ نکل آتے ہیں۔ جہاں جہاں انسان کی پہنچ ہے لوگ شوق سے یہ پَر جمع کرتے ہیں اور انھیں نشانی کے طور پر یا کتابوں میں رکھتے ہیں۔

مور قدیم دَور سے مقدّس پرندہ سمجھا جاتا ہے جس کا ذکر دیوی اور دیوتاؤں کے ساتھ آتا ہے۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب وید میں کئی جگہ مور کا تذکرہ ہے، جس میں یہ بھی لکھا

ہے کہ مور بھگوان کی عظمت کی نشانی ہے۔ جب سکندرِ اعظم نے ہندُستان پر حملہ کیا تو اسے مور بہت پسند آیا۔ اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا اور اس طرح مور مشرق سے مغرب گیا۔

مور کی آواز بڑی سُریلی، دل کش اور درد بھری ہوتی ہے۔ جب یہ مست ہو کر بولتا ہے تو "پی آؤ، پی آؤ" کی آواز بس نکالتا ہے، لیکن خطرے کے وقت "کاروان، کاروان" کر کے چیختا ہے۔ کہاوت ہے کہ مور ناچتا ہے تو اپنے پَر دیکھ کر جھوم جاتا ہے اور اپنے پیر دیکھتا ہے تو رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ مور کے پیر خاصے بھدّے ہوتے ہیں۔ یوں تو مور کے سَر، کلغی، گردن اور سینے کے پروں میں بڑے ہی خوب صورت رنگوں کا امتزاج ہوتا ہے، مگر دُم کے پَر خوش نمائی میں لاجواب ہوتے ہیں۔ خوش ہو کر جب مور اپنے پروں کو پھیلاتا ہے تو بہت ہی خوب صورت لگتا ہے۔ جب مور جنگل میں باری باری ناچتے ہیں تو گویا جنگل میں منگل کا سماں ہو جاتا ہے۔

مورنی مور کی طرح حسین و جمیل نہیں ہوتی۔ اس کا قد اور وزن بھی کم ہوتا ہے۔ دُم بھی چھوٹی اور گہرے بھورے رنگ کی ہوتی ہے۔ اس کے سَر پر کلغی تو ہوتی ہے، لیکن مور کی طرح خوب صورت نہیں ہوتی۔ مورنی تین سے چھے انڈے دیتی ہے جن کا رنگ سفیدی مائل زرد ہوتا ہے اور انڈے سے تیس دن بعد بچّہ نکلتا ہے جو ٹینس کی گیند کے برابر ہوتا ہے۔ یہ بچّے تیزی سے بڑھتے ہیں اور تین سال کی عمر میں ان کے مکمل پَر نکل آتے ہیں۔ مورنی تین سال کی عمر کو پہنچ کر انڈے دینے لگتی ہے، مگر یہ لگاتار انڈے نہیں دیتی بلکہ وقفے وقفے سے انڈے دیتی ہے۔

روایت ہے کہ مور اور سانپ میں نہیں بنتی اور دونوں ازل سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں، لیکن مور کو سانپ پر برتری حاصل ہے اور وہ اسے مار کر کھا بھی جاتا ہے۔ مور کھیتوں وغیرہ کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اناج، کیڑے مکوڑے، چھپکلیاں وغیرہ مور کی غذا ہیں۔ کیمیائی تجزیے کے مطابق مور کے پروں میں تانبے کے مقابلے میں جست زیادہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سانپ کے کاٹنے پر بھی مور کی ہڈی گھس کر لگانے سے زہر دُور ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پَروں کو جلا کر جلے ہوئے زخم پر لگائیں تو بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

مور کافی عرصہ زندہ رہتا ہے۔ ہیر یٹ نامی مور ۴۲ سال زندہ رہتا ہے۔

مرسلہ: اکبر حیات اکبر، کراچی

برہمی بوٹی یادداشت بڑھاتی ہے

کوثر چاند پوری

برہمی بوٹی یادداشت کو بڑھانے میں نہایت مفید ہے۔ طالب علم اس سے قیمتی فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس بوٹی کے متعلق ضروری معلومات آپ کے سامنے دہرائی جا رہی ہیں۔ اس کا دوسرا نام سرسوتی ہے۔ ندی نالوں اور تالابوں کے کنارے اور مرطوب مقامات پر پیدا ہوتی ہے۔ تین ہزار فیٹ کی بلندی پر جو برہمی ملتی ہے وہ تاثیر کے لحاظ سے اچھی ہوتی ہے۔ اس کے پتّے پیسے کی طرح گول ہوتے ہیں اور پتلی شاخوں پر لگے رہتے ہیں۔ برہمی بوٹی کے پودے آٹھ نو انچ اونچے ہوتے ہیں۔ برہمی کا مزا گاجر کے پتوں کی طرح کسیلا ہوتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تازہ برہمی کام میں لانا چاہیے۔ اس میں چند کیمیاوی اجزا ہوتے ہیں۔ برہمی کی تاثیر دوسرے درجے میں گرم خشک ہوتی ہے۔ دماغ اور یادداشت کو طاقت دیتی ہے۔ خون کو صاف کرتی ہے۔ تازہ برہمی ۱۲ گرام کی مقدار میں ایک گرام کالی مرچ کے ساتھ پیس کر پینا چاہیے۔ یہ خوراک بڑوں کے لیے ہے۔ بچّوں کے لیے مقدار کم کر لینی چاہیے۔ تازہ برہمی نہ ملے تو خشک بوٹی کا سفوف کر کے گائے کے دودھ سے کھا لینا چاہیے۔ اس کی گولیاں بھی بنائی جاتی ہیں اور شہد میں ملا کر معجون بھی تیار کی جاتی ہے۔ بھول اور حافظے کی کمزوری میں برہمی کو بہت مفید خیال کیا جاتا ہے۔ بالوں میں سیاہی پیدا کرتی ہے۔ پھوڑے پھنسی کو بھی فائدہ دیتی ہے۔ کھانسی اور نزلے میں اس کا استعمال فائدے سے خالی نہیں۔ تازہ برہمی ۹ سے ۱۲ گرام تک استعمال کی جا سکتی ہے۔ سوکھی ہوئی بوٹی ۳ گرام سے ۵ گرام تک کی مقدار میں کھائی جا سکتی ہے۔ جن بچّوں کی یادداشت کمزور ہو، سبق یاد نہ ہوتا ہو یا باتیں بھول جاتے ہوں انھیں برہمی کا استعمال کرنا چاہیے۔ یہ بات یاد رکھیے کہ اچھے حافظے کے بغیر کوئی بچّہ تعلیم کے اونچے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اعلا علمی مرتبہ حاصل کرنے کے لیے قوتِ حافظہ بہت ضروری ہے۔ برہمی حافظہ میں تیزی اور طاقت پیدا کرنے میں نہایت قیمتی فوائد کی حامل ہے۔

پہاڑ کبھی نہیں ملتے

فہمیدہ عتیق

ماما کو بچّوں سے بہت محبت ہے۔ ہم لوگ ماما کے گرد جمع ہو کر اکثر وہ فرمائشیں کرتے ہیں جو اپنے امّی پاپا سے نہیں کرتے اور اگر کبھی امّی پاپا سے کوئی فرمائش کر بھی دیں تو وہ ہمیشہ کل کے وعدے پر ٹال دیتے ہیں اور کل کبھی نہیں آتی۔

سالانہ امتحان سے پہلے سب بچّوں نے پروگرام بنایا کہ امتحان کے بعد خاندان کے سب بچّے کہیں سیر کرنے چلیں گے، کسی باغ میں یا سمندر کے کنارے۔ اسما فوراً بول پڑیں، "بھئی، میری امّی تو خود سمندر کے کنارے جاتے ہوئے ڈرتی ہیں، مجھے تو کبھی اجازت نہیں ملے گی۔" ہم نے کہا کہ جگہ طے کر لیتے ہیں۔ امّی پاپا سے ماما خود اجازت لے لیں گے۔ ہم صرف ماما کے ساتھ جانا چاہتے تھے تاکہ باقاعدہ پک نک منا سکیں۔ ہم لوگ پروگرام بنا ہی رہے تھے کہ اتنے میں ماما آتے ہوئے نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں آئس کریم کے گلاس تھے۔ بچّے دوڑتے ہوئے ان کے پاس پہنچے اور اپنا اپنا آئس کریم کا گلاس لے کر کمرے میں آ گئے۔

پروگرام یہ طے پایا کہ کلری جھیل چلیں گے۔ شرارت سوچ سمجھ کر کریں گے تاکہ گڑبڑ نہ ہو۔ پھر ہم نے ماما کو اس پروگرام کی اطلاع دے دی تاکہ وہ تیار رہیں۔

امتحان ختم ہوئے تو بچّہ پک نک کا مطالبہ پھر اُبھرا۔ ہم نے ماما کو یاد دلایا اور کہا کہ ہمارے پاپا اور امّی سے آپ خود اجازت لے لیجیے۔ ماما فوراً مان گئے۔ سب بچّے خوشی کے مارے اچھلنے لگے:

"آہا ماما کے ساتھ پک نک منائیں گے، پک نک.... پک نک.... پک نک...."

ہم نے ماما سے کہا کہ ہم آپ کو راستے میں ستائیں گے بھی نہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ گہرے پانی میں بھی نہیں جائیں گے۔ ماما نے کہا تم لوگ فکر نہ کرو۔ اللہ مالک ہے۔

مہینے کا پہلا جمعہ طے کیا گیا جو دس دن کے بعد آنے والا تھا۔ سب بچّے تیاریوں میں

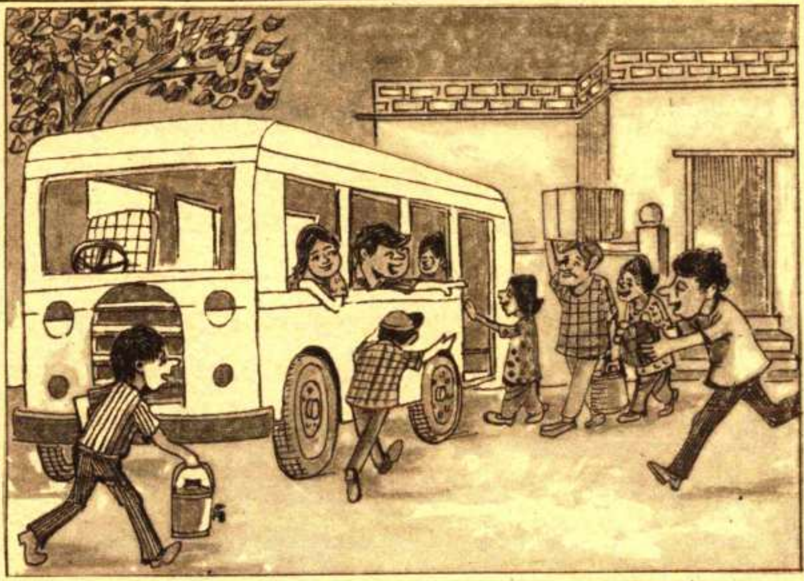

مصروف ہو گئے۔ لڑکے بے چارے تو زیادہ شور نہیں کر رہے تھے، لیکن لڑکیوں کی چہل پہل خوب ہو رہی تھی۔ کپڑوں کے ساتھ کلپ، ربن، ہار بُندے، چوڑیاں اور جوتوں تک کی میچنگ کا مسئلہ تھا۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ جمعہ کی صبح سب بچّوں کو ماما کے یہاں جمع کر دیا گیا۔ آٹھ بجے ایک خوب صورت اور چھوٹی بس آگئی۔ بہت سا کھانے کا سامان، دو بڑے بڑے کولر، گیندیں اور رسیّاں لے کر ماما کے ساتھ پک نک پر روانہ ہو گئے۔ ہمارا خان سلماں اللہ دیا بھی ہمارے ساتھ تھا۔

ہم لوگ راستے بھر گانے گاتے، کیلے، کینو کھاتے اور ان کے چھلکوں سے کھیلتے ہوئے گئے۔ ڈھائی تین گھنٹے کا سفر بڑے مزے میں کٹ گیا۔ گرمی اور دھوپ کا پتا نہیں چلا۔ گیارہ بجے ہماری بس جس جگہ جا کر رُکی وہاں ایک بڑا سا مکان تھا۔ ماما نے بتایا کہ اسے ریسٹ ہاؤس کہتے ہیں۔

ریسٹ ہاؤس کے چوکی دار نے تالا کھول دیا۔ ہم اندر چلے گئے۔ کھانے کا سامان

بڑی میز پر رکھ دیا۔ ریسٹ ہاؤس میں ہر طرح کا سامان صاف ستھرا اور سجا ہوا تھا۔ ہم سب نے منہ ہاتھ دھویا اور تازہ دَم ہو گئے۔ اب ماما کے ساتھ باہر نکلے تو اللہ دیے کو سامان کے پاس بٹھا دیا۔ وہ بوڑھا ہے۔ اگر ساتھ دیے جاتے تو تھک جاتا۔ اس نے خود بھی کہا، "میں اب کیا سیر کروں گا۔ جاؤ بچو، تم سب جاؤ۔ میں یہیں بیٹھا ہوں۔"

ریسٹ ہاؤس کے سامنے دُور دُور تک پانی پھیلا ہوا تھا۔ ماما نے بتایا کہ اس کا نام کلری جھیل ہے۔ یہاں سے کراچی شہر کے لیے اکثر پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔ جھیل کا پانی بڑا خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس میں سمندر کا سا شور بھی نہیں تھا۔ ہم نے چھوٹے چھوٹے کنکر پھینکے تو دائرے بننے لگے۔ جتنے زور سے پتّھر پھینکتے دائرہ اُتنا ہی بڑا بنتا تھا۔ اس کھیل میں ہم اپنے ساتھ لائی ہوئی گیندیں اور رسّیاں بھول گئے۔ اب ہم ایک دوسرے کا دائرہ توڑ رہے تھے۔ یوں ہی کھیلتے ہوتے ہم جھیل کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے کہ ہمیں ایک چھوٹا سا ٹیل نظر آیا۔ اس کے قریب ہی کشتیاں بھی نظر آئیں۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تو ماما سمجھ گئے کہ ہم کیا کہنا چاہتے ہیں، اس لیے انھوں نے خود ہی کہہ دیا کہ ابھی تو دھوپ ہے، اب واپس ریسٹ ہاؤس چلتے ہیں۔ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کریں گے، پھر کشتی کی سیر کریں گے۔ ہم مان تو گئے، لیکن دِل یہ چاہ رہا تھا کہ ابھی سیر کر لیں، کھانا تو کھاتے ہی رہتے ہیں، مگر ہم نے ضد نہیں کی اور جھیل کے کنارے سے رنگ برنگے پتّھر چُنتے ہوئے ریسٹ ہاؤس واپس آ گئے۔

اس وقت دھوپ خاصی تیز تھی۔ سب بچّوں نے کھانا کھایا اور آرام کرنے کو اِدھر اُدھر لیٹ گئے، لیکن ہمیں چین کہاں ملتا۔ پانچ دس منٹ کے بعد ہی کمرے میں صرف ماما لیٹے ہوئے رہ گئے اور ہم سب اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ کوئی بچّہ پھسلنے والے جھولے پر چلا گیا۔ اور رضوان بھائی تو آم کے پیڑ پر چڑھے بیٹھے تھے۔ عثمان جامن پر چڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ کچھ بچّے پانی میں پاؤں ڈالے ایک دوسرے پر پانی اُچھال اُچھال کر خوش ہو رہے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ماما اُٹھ کر آئے اور کہا کہ کشتی کی سیر کے لیے تیار ہو جاؤ۔ سب بچّے جلدی جلدی جوتے پہن کر تیار ہو گئے۔ ماما کے ہاتھ میں ایک بڑا سا تھیلا تھا۔ انھوں

نے کشتی والے سے بات کی۔ ہر بچّے کا دو رُپے کا ٹکٹ لیا۔ کشتی کافی بڑی تھی۔ اس میں اور بھی بچّے بڑے پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ماما نے کسی بچّے کو کشتی کے کنارے پر نہیں بیٹھنے دیا۔ سب کو درمیان والی سیٹوں پر بٹھایا اور خود اوپر والے تختے پر بیٹھ گئے۔ اب ماما نے ہمیں ناشتے کے پیکٹ دیے۔ کسی میں چپس تھے، کسی میں تلی ہوئی نمکین مونگ پھلیاں اور کسی میں دال موٹھ تھی۔ ہم ایک دوسرے سے چیزیں بدل بدل کر کھا رہے تھے اور باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ جھیل کا پانی کشتی کے چلنے سے اُڑ اُڑ کر کشتی میں آ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے بارش کی پھوار پڑ رہی ہو۔ پانی کے ننھّے اُچھلتے ہوئے قطرے سفید موتی معلوم ہو رہے تھے۔ بڑا ہی مزہ آ رہا تھا۔

اتفاق سے اس کشتی میں دوسرے ملکوں کے لوگ بھی تھے، جو جھیل کی سیر کرنے کے لیے کشتی میں بیٹھے تھے۔ میرے برابر ایک بچّی نگارا بیٹھی تھی۔ بہت پیاری بچّی تھی۔ وہ اردو بھی بڑی صاف بول رہی تھی۔ میں نے اس سے دوستی کر لی۔ اس نے بتایا کہ اس کے ابّو روسی سفارت خانے میں ملازم ہیں۔ وہ تین سال سے پاکستان میں ہیں۔ ان کی امّی نے بھی اردو میں تعلیم حاصل کی ہے۔ نگارا نے بتایا کہ ہم ایک مہینے بعد واپس روس چلے جائیں گے، اس لیے پاکستان کی سیر گاہوں کی تصاویر بھی اُتار کر لے جائیں گے، پھر پتا نہیں کب پاکستان آنا ہو۔

میں نے نگارا سے کہا کہ تم روس کی کوئی کہانی سناؤ۔ اس نے کہا پہلے تم سناؤ پھر میں سناؤں گی۔ میں نے سوچا چلو میں پہلے سُنا دیتی ہوں۔ نگارا تو ہمارے پاکستان میں مہمان ہے۔ چناں چہ میں نے چیونٹی اور بادشاہ کی مشہور کہانی سُنا دی کہ کس طرح دیوار پر چڑھنے میں بار بار ناکام ہونے کے باوجود جب ایک چیونٹی نے ہمّت نہ ہاری تو بادشاہ نے اس سے سبق سیکھا اور نئے سرے سے جنگ کی تیاری کر کے کامیابی حاصل کی۔

نگارا اور اس کا چھوٹا بھائی عادل جو اس کے برابر بیٹھا تھا، غور سے کہانی سنتے رہے۔ اب ہماری کشتی دوسرے کنارے کے قریب پہنچنے والی تھی۔ کنارے پر پہنچ کر ماما نے چائے پی اور ہم نے آئس کریم کھائی۔ ہم نے نگارا اور عادل کو بھی شامل کر لیا تھا۔
جب ہماری کشتی واپس لوٹی تو میں نے نگارا سے کہا کہ اب تم اپنے ملک کی کوئی کہانی

سناؤ۔ نگارا تو ابھی سوچ ہی رہی تھی۔ عادل بول پڑے کہ پہاڑ والی کہانی سناؤ۔ میں سمجھی کسی خاص پہاڑ کی کہانی ہو گی یا پہاڑ پر سیر کا واقعہ ہو گا۔ میں نے بھی کہا "ہاں ہاں وہی سنا دیں۔" نگارا نے کہا کہ کہانی تو نہیں ایک **واقعہ** سُن لو:

کئی سال پہلے بھی میں اپنے انکل کے ساتھ پاکستان آئی تھی تو میری دوستی کراچی میں ندا سے ہو گئی تھی۔ اِس سال جب میں مری کی سیر کو امّی پاپا کے ساتھ گئی تو وہاں ندا بھی اپنے پاپا اور امّی کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ مال روڈ مری پر میری اور ندا کی ملاقات ہو گئی۔ ہم دونوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ مجھے فوراً روس کے لوگوں کی ایک کہاوت یاد آگئی کہ "انسان سے انسان کبھی نہ کبھی ضرور ملتا ہے، پہاڑ سے پہاڑ کبھی نہیں ملتے۔" میں سوچنے لگی کہ واقعی کتنی سچّی بات ہے۔ انسان آپس میں لڑیں پھر بھی مل جاتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم کشتی میں آنے والی ننھی بوندوں کو پکڑنے لگے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی۔ سورج غروب ہونے والا تھا۔ آسمان پر ہلکی ہلکی سرخی پھیلنے لگی تھی۔ بڑا اچھا سماں تھا۔ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ہمیشہ اسی طرح سیر کرتے رہیں۔ اب ہم پُل کے قریب پہنچ چکے تھے۔ کشتی رُکی تو ہم سب آہستہ آہستہ اُتر کر کنارے پر آگئے۔ نگارا اور عادل بھی اپنے امی پاپا کے ساتھ کشتی سے اُتر آئے۔ وہ لوگ دوسرے ریسٹ ہاؤس میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ ہم نے ایک دوسرے سے آیندہ ملنے کا وعدہ کیا اور اپنے اپنے ریسٹ ہاؤس میں چلے گئے۔ ماما نے اور ہم سب نے مل کر سامان بس میں رکھوایا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

ایک بادشاہ ایک بزرگ کی خدمت میں شاہی کھانا لے کر حاضر ہوا اور کھانے کی درخواست کی۔ فقیر نے ایک آئینہ منگوایا اور شاہی مرغن کھانے میں سے ایک لقمہ لے کر اس پر مَل دیا۔ تمام آئینہ دھندلا پڑ گیا۔ پھر اس پر اپنی "جو" کی خشک روٹی مل دی تو آئینہ صاف ہو گیا۔ اب بزرگ نے کہا، "آپ کے کھانے آئینۂ دل کو سیاہ کرتے ہیں، لیکن جَو کی روٹی اسے چمکا دیتی ہے۔ مجھے اپنے کھانے سے معاف رکھیے۔" پھر بادشاہ نے کہا، "میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیں۔" بزرگ نے کہا، "مکھیاں اور مچھر مجھے بہت دِق کرتے ہیں۔ اُن کو حکم دیجیے کہ مجھے نہ ستایا کریں۔" بادشاہ نے کہا، "میرا حکم تو یہ نہیں مانتے۔" بزرگ نے کہا، "جب ایسے حقیر ترین جانور بھی آپ کی اطاعت نہیں کرتے تو پھر کس چیز کے لیے آپ سے امداد طلب کروں۔"

مرسلہ، خالدہ زرین، حیدر آباد

ننھا شاعر

شفیق الرحمان شفق

دیکھو بچّو! ننھا شاعر پیارا بھولا بھالا شاعر
لے کر اِک کاغذ کا ٹکڑا سوچ رہا ہے تنہا بیٹھا
کیا کچھ اس کاغذ پر لکھّے کیسے لکھّے؟ کیوں کر لکھّے
لو بچّو! کچھ لکھّا اُس نے کچھ لکھّا اور کاٹا اُس نے
آؤ دیکھیں تو کیا لکھّا پاکستان کا نغمہ لکھّا
نظم لکھی اور لکھی ساری خوب لکھی اور کتنی پیاری

اب تم بھی ایسے ہی بچّو
پیاری پیاری نظمیں لکھّو

یادگار تحفہ

شاکر عثمانی

ارشد دوڑتا ہوا گھر میں داخل ہوا اور اپنی امّی سے لپٹ گیا۔ امی حیران ہو رہی تھیں، کیوں کہ ارشد اکثر سنجیدہ رہا کرتا تھا، مگر آج نہ جانے کیا بات تھی کہ ان سے اس طرح لپٹ گیا۔ انھوں نے پوچھا، "کیا بات ہے بیٹا؟"

"امّی، امّی!" وہ ان کا کندھا ہلا کر بولا، "ٹھیک آج کے ہی دن اگلے ہفتے میری سال گرہ ہے۔ ہے نا؟" امی اس کی بات سُن کر ہنس پڑیں اور کہنے لگیں:

"ہاں بیٹا، تمھاری سال گرہ میں اب صرف ایک ہفتہ رہ گیا ہے اور ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔ یہ چوں کہ تمھاری دسویں سال گرہ ہے، اس لیے ہم نے سوچا ہے کہ اس بار بڑی پارٹی کریں۔"

ارشد خوشی سے جھوم گیا۔ امی بھی بالکل ٹھیک اسی کے انداز میں سوچ رہی تھیں۔ گزشتہ سال اس کی سال گرہ بہت زیادہ بڑی تو نہیں تھی، مگر اس کے امی ابّو نے کئی مزے دار کھانے پکوائے تھے اُس وقت بھی وہ بہت خوش تھا۔ اس نے چوتھی کلاس پاس کی تھی اور چند روز پہلے ہی نتیجہ نکلا تھا۔ ارشد فرسٹ ڈویژن پاس ہوا تھا، تقریباً سارے ہی لڑکے پاس ہو گئے تھے، صرف ایک شعیب رہ گیا تھا۔ وہ بھی اس لیے کہ غریب کئی ماہ بیمار رہا تھا اور اسکول نہیں جا سکا تھا۔

سال گرہ پارٹی جمعہ کو تھی اور جمعہ تک ابھی چار دن باقی تھے۔ خوشی سے نہال ارشد سے ضبط نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کے رشتے داروں کے علاوہ گلی کے بلکہ محلّے کے تمام بچّوں کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ارشد کی سال گرہ جمعے کو ہو رہی ہے۔ اس نے اسکول کے ایک ایک ساتھی کے گھر جا کر کارڈ دیا تھا اور انھیں دعوت دی تھی۔ اس کی باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ سال گرہ اس کی زندگی میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی بناوٹ یا جھوٹ شامل نہیں تھا حقیقت میں وہ بہت خوش تھا اور اس سال گرہ کو سب سے زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس سال ارشد پانچویں کلاس میں امتیازی نمبروں سے پاس ہوا تھا اور اب وہ بڑے اسکول میں داخل ہوگا۔

ارشد بڑا ملنسار لڑکا تھا، اس لیے اس کے دوست بھی بہت سے تھے اور وہ سب کے کام آتا تھا۔ دوسرے لڑکے بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ پھر بھی اس میں شرم کا مادّہ بہت تھا۔ وہ کسی سے کوئی چیز طلب نہیں کرتا تھا۔ اسکول ہو یا گھر چاہے وہ کہیں بھی ہوتا، کسی حال میں بھی وہ کچھ طلب کرنا اچھا نہ سمجھتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اس کی کتاب گم ہو جاتی، کاپیاں اِدھر اُدھر ہو جاتیں، پنسل اور قلم کام کرنا چھوڑ دیتے اور اس کے دوست اسے چیزیں پیش کرتے تو وہ ہنس کر ٹال جاتا، لیکن ان کا شکریہ ضرور ادا کرتا۔

اس بار نہ جانے کیوں ارشد کا دل چاہتا تھا کہ کوئی دوست اسے بہت ہی اچھا تحفہ دے۔ ہر سال اسے دوستوں کی طرف سے تحفے ملا کرتے تھے۔ وہ خود بھی دوستوں کو تحفے دیا کرتا تھا مگر یہ سارا کاروبار ایک روایت اور لگے بندھے طریقے سے ہوتا تھا۔ اس سال ارشد اس روایت کو توڑنا چاہتا تھا۔

رئیس احمد اس کا جگری دوست تھا۔ دونوں ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ جب ارشد نے رئیس کو دعوت نامہ دیا تو رئیس احمد خوش ہو کر پارٹی کے بارے میں معلوم کرنے لگا۔ ارشد نے اسے امی کی تیاریوں کا کچھ حال بتایا۔ پھر دبی زبان میں اشارتاً اس کے دل کی بات زبان تک آ ہی گئی۔

رئیس میں سوچ رہا ہوں کہ کاش کوئی دوست اچھا سا تحفہ دے، یادگار تحفہ، جسے میں زندگی بھر سنبھال کر رکھ سکوں اور اس پر فخر کروں۔

چار دن پلک جھپکتے گزر گئے۔ جمعہ کا دن آ گیا۔ لوگ ارشد کی سال گرہ کی پارٹی میں آ رہے تھے۔ وہ امّی، ابّو کے ساتھ مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا اور ان سے تحفے لے کر ان کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رئیس احمد وہاں پہنچ گیا۔

اس نے کہا "میری طرف سے یہ چھوٹا سا تحفہ قبول کرو ارشد، سال گرہ مبارک۔"

ارشد نے بے چینی سے پیکٹ کھول ڈالا۔ یہ ایک فریم تھا۔ اس میں ایک بڑی سی تصویر تھی۔ تصویر میں ارشد ایک بوڑھے نابینا کو سڑک پار کرا رہا تھا۔ رئیس احمد نے یہ تصویر شاید اسی دن کے لیے چھپا کر رکھی تھی۔ رئیس احمد کا یہ تحفہ واقعی سب تحفوں سے الگ تھا۔ ارشد کو ایسا لگا جیسے اس کی انجانی سی خواہش پوری ہو گئی۔

علی اسد

نوجوان اور سانپ

کسی زمانے میں ایک کسان رہا کرتا تھا جو بہت غریب تھا۔ اور اسی غربت کی حالت میں اس کے گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ لیکن یہ لڑکا بڑا خوش نصیب تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کسان بڑا امیر ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد کسان نے سوچا کہ اپنے بیٹے کی شادی کر دے۔ چناں چہ اس نے ایک لڑکی تلاش کی۔ یہ لڑکی ایک دوسرے شہر میں رہتی تھی، منگنی ہو گئی اور بڑی شان دار دعوت ہوئی۔ خوب روپیہ خرچ کیا گیا۔

اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد کسان مر گیا۔ اب یہ لڑکا تنہا رہ گیا۔ لڑکی کے والدین کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے سوچا کہ لڑکے کو اپنے پاس بلوالیں، لیکن لڑکی کی ماں نے کہا، "لڑکا اب بڑا ہو گیا ہے، وہ آئے اور ہماری بیٹی کو بیاہ کر اپنے گھر لے جائے۔" چناں چہ ایک آدمی کو بھیج کر لڑکے کو مطلع کر دیا گیا۔ لڑکے نے اچھے اچھے کپڑے پہنے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک جنگل پڑا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک نیولا اور ایک بڑا بھاری سانپ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ لڑکا دونوں کی لڑائی دیکھنے لگا۔ نیولا زیادہ چالاک اور طاقت ور تھا۔ سانپ تھک چکا تھا اور زخمی بھی ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نیولا سانپ کو مار ڈالے گا۔ لڑکا سوچنے لگا کہ اس لڑائی کو ختم کروا دینا چاہیے، کیوں کہ لڑائی ختم کرا دینا اچھا کام ہے۔ لہٰذا اس نے دونوں کو علاحدہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر نیولا ہر بار کود کر سانپ پر حملہ کر بیٹھتا تھا۔ لڑکے نے جب دیکھا کہ نیولا کسی طرح نہیں مانتا تو اس نے اپنی تلوار نکال کر نیولے کو مار ڈالا۔ اس کے بعد لڑکا وہاں سے جانے لگا، لیکن سانپ نے لپک کر لڑکے کو پکڑ لیا۔ لڑکے نے کہا، "میں نے تمھارے ساتھ نیکی کی اور تم مجھے پکڑ رہے ہو۔ یہ کیسی بات ہے؟"

اس پر سانپ بولا، "یہ ٹھیک ہے کہ تم نے میرے ساتھ بھلائی کی، مگر میں تم کو جانے نہ دوں گا۔ میں تو تم کو کھا جاؤں گا۔"

لڑکے نے سوچا نیولے اور سانپ کی لڑائی ختم کرا دینی چاہیے

لڑکے نے کہا، "نیکی کے بدلے نیکی کرنا چاہیے۔ ہمارے ملک میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" یہ سن کر سانپ نے کہا، "لیکن ہمارے علاقے میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں معاملہ مختلف ہے۔ یہاں نیکی کے بدلے بدی کی جاتی ہے۔" لڑکے نے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر سانپ نے ایک نہ سُنی۔ آخر لڑکے نے کہا، "اچھا تم مجھے کھا جانا مگر ابھی مجھ کو آٹھ دن کی مہلت دے دو، تاکہ میں کچھ کام کر لوں۔ اس کے بعد میں واپس آجاؤں گا۔"

سانپ لڑکے کے جسم پر لپٹا ہوا تھا۔ اس نے لڑکے کو چھوڑ دیا اور بولا، "ٹھیک ہے۔ تم آٹھ دن بعد واپس آجانا۔" یہ کہہ کر اس نے لڑکے کو چھوڑ دیا اور وہ چلا گیا۔ جب وہ اپنی سسرال پہنچا تو سب لوگ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے مگر لڑکا بڑا غمگین رہا۔ سب لوگ پوچھتے رہے مگر اس نے کچھ نہیں بتایا۔ آٹھویں دن لڑکا اپنی دلہن کو لے کر بیل گاڑی میں سوار ہو گیا اور یہ لوگ روانہ ہو گئے۔

جب یہ لوگ کافی دور آگئے تو لڑکے نے اپنی بیوی سے کہا، "اب تم واپس چلی

جاؤ۔ رہا میں، تو میری قسمت میں شاید یہ لکھا ہے کہ میں راستے میں مر جاؤں۔" یہ سُن کر تمام نوکر تو فوراً بھاگ گئے، مگر اس کی بیوی نے کہا، "میں تمھارے ساتھ جیوں گی اور تمھارے ساتھ ہی مروں گی۔" یہ کہہ کر وہ اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی۔ جب یہ لوگ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سانپ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا تو لڑکے نے سانپ کو آواز دی، "میں آگیا ہوں۔ اب تم آکر مجھے کھالو!" یہ سُن کر بیوی بھی اپنے شوہر کے ساتھ آکر کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں بڑے زور کی سنسناہٹ سُنائی دی اور سانپ رینگتا ہوا آموجود ہوا۔ وہ لڑکے کو کھانے ہی والا تھا کہ لڑکی چیخ پڑی، "تم اس بے چارے کو کیوں کھانا چاہتے ہو؟" سانپ نے سارا واقعہ سُنا دیا اور بولا، "اس ملک کا دستور ہے کہ نیکی کے بدلے بدی کی جاتی ہے۔" لڑکی نے سانپ کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔ آخر لڑکی نے کہا، "تمھارے ملک کا یہ دستور نہایت نرالا ہے۔ آخر یہ دستور شروع کیسے ہوا؟ ذرا اس کے بارے میں تو بتاؤ۔"

اس پر سانپ بولا، "وہ دیکھو سامنے پانچ بڑے بڑے درخت ہیں۔ اُن کے قریب جاؤ اور زور سے پوچھو کہ اس ملک میں نیکی کے بدلے بدی کیوں کی جاتی ہے؟"

چناں چہ لڑکی نے ایسا ہی کیا اور بیچ میں جو درخت تھا اُس سے پوچھا۔ درخت نے فوراً جواب دیا:

ہم کو گِنو، ہم اب پانچ ہیں۔ مگر پہلے ہم چھے تھے، یعنی تین جوڑے۔ چھٹا درخت اندر سے کھوکھلا تھا۔ کئی برس ہوئے ایک چور ایک گھر میں چوری کرنے کے بعد بھاگا۔ لوگ اس کا پیچھا کرنے لگے۔ وہ بھاگتا بھاگتا ہمارے قریب آگیا۔ رات کا وقت تھا۔ چاند چمک رہا تھا۔ چور اس کھوکھلے درخت میں چھپ گیا اور درخت سے کہا، "اچھے درخت ہم کو چھپا لو۔ ہماری جان بچا لو۔" درخت نے جب اس کی فریاد سُنی تو اس نے اپنے کناروں کو بند کر لیا اور چور کو اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ لوگ اس کو پکڑ نہ پائے اور واپس چلے گئے۔ اس کے بعد درخت نے اپنی آغوش کھول دی اور چور کو چلا جانے دیا۔ اتفاق سے اس درخت میں صندل کی لکڑی تھی۔ چناں چہ چور کے سارے جسم میں صندل کی خوش بُو سما گئی۔ اب وہ جدھر سے بھی گزرتا صندل کی خوش بُو آتی۔ اتفاق سے

وہ چور ایک بادشاہ کے ملک میں پہنچ گیا۔ ایک آدمی نے جو یہ خوش بُو سُونگھی تو بادشاہ کو جاکر بتا دیا۔ بادشاہ نے چور کو بُلوایا اور کہا، "دکھاؤ وہ خوش بُو۔" چور نے کہا، "میرے پاس کوئی خوش بُو والی چیز نہیں ہے۔" بادشاہ بولا، "اگر تم نہیں دیتے ہو تو میں تم کو مار ڈالوں گا۔" یہ سن کر چور ڈر گیا اور اس نے سارا قصّہ سُنا دیا۔ بادشاہ نے کہا، "چلو اور مجھ کو وہ درخت دکھاؤ۔" جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس درخت کو کاٹ ڈالو اور اسے ہمارے محل میں پہنچا دو۔ درخت نے جب یہ حکم سُنا تو چلّایا، "اس نے اس آدمی کی جان بچائی مگر اس کے بدلے خود اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑ رہے ہیں۔ لہٰذا اب آیندہ سے اس جنگل میں یہی دستور ہوگا کہ نیکی کا بدلا بدی سے دیا جائے گا۔"

لڑکی یہ قصّہ سُن کر اپنے شوہر کے پاس آگئی۔ سانپ آگے بڑھ کر لڑکے کو کھانے چلا۔ لڑکی نے رو کر کہا، "میرا کیا حشر ہوگا؟ اگر تم میرے شوہر کو کھاتے ہو تو

لڑکی نے سانپ سے پوچھا، تم اس بے چارے کو کیوں کھانا چاہتے ہو

پہلے مجھے کھالو۔" یہ سُن کر سانپ رک گیا۔ وہ لڑکی کو تسلّی دینے کی ترکیب سوچنے لگا اور کچھ سوچ کر اپنے بِل میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دو گولیاں لے کر آگیا اور بولا، "لو، یہ گولیاں، ان کو نگل جاؤ۔ تمھارے دو بچّے پیدا ہوں گے اور تم ان کی پرورش میں زندگی گزار دینا۔" لڑکی نے گولیاں لے لیں، مگر وہ بڑی چالاک تھی۔ اس نے کہا، "مگر جب میں اکیلی رہ جاؤں گی تو لوگ مجھے پریشان کریں گے۔" یہ سُن کر سانپ پھر اپنے بِل میں گیا اور دو گولیاں اور لے آیا اور انھیں دے کر بولا، "جو لوگ تم کو پریشان کریں اُن کے سر پر یہ گولی انگوٹھے اور انگلی سے مَسَل کر پھینک دینا۔ گولی کا سفوف گرتے ہی وہ راکھ کا ڈھیر ہو جائیں گے۔"

لڑکی نے یہ گولیاں بھی لے لیں اور تیزی سے ایک گولی انگلی میں دبا کر سانپ کے قریب آگئی اور بولی، "ذرا مجھے یہ بھی اچھی طرح بتا دو کہ کس طرح سفوف ڈالوں؟"

اتنا کہہ کر لڑکی نے جلدی سے سانپ پر اس گولی کا سفوف پھینک دیا۔ سفوف لگتے ہی سانپ راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد لڑکی اپنے شوہر کے پاس آئی اور بولی، "جو شخص نیکی کرتا ہے اس کا انجام اچھا ہی ہوتا ہے، اور جو بدی کرتا ہے اس کا انجام خراب ہی ہوتا ہے۔ تم نے نیکی کی تھی لہٰذا تم کو اس کا اچھا بدلا مل گیا۔ سانپ نے بدی کی تھی اس لیے وہ جہنّم میں پہنچ گیا۔ اللّٰہ جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔" پھر دونوں اپنے گھر چلے گئے اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔

ایک شخص ایک بہت مشہور نشانہ باز سے ملنے اس کے گھر گیا تو اس نے دیکھا کہ دیواروں پر آویزاں ٹارگٹس کے عین وسط میں سُرخ دائرے موجود ہیں۔ وہ شخص نشانہ باز کی کامل مہارت پر حیران رہ گیا اور اُس نے اپنی حیرت دُور کرنے کی خاطر اتنے صحیح نشانہ لگانے کی وجہ پوچھی۔ نشانہ باز نے جواب دیا، "یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ میں پہلے ٹارگٹ پر فائر کرتا ہوں اور اس کے بعد اس کے گرد سرخ دائرہ بنا دیتا ہوں۔"

مرسلہ: ایم حارث

ہمدرد نونہال

فیض لودھیانوی

تہذیب کا کمال ہے ہمدرد نونہال — تعلیم کا جمال ہے ہمدرد نونہال

اعجاز ہے یہ ایک حکیمِ سعید کا — حکمت سے مالا مال ہے ہمدرد نونہال

مسعود کے شگفتہ قلم کی بہار سے — گُل دستۂ خیال ہے ہمدرد نونہال

پاتی ہے جس سے منزلِ مقصود زندگی — وہ راہِ اعتدال ہے ہمدرد نونہال

ہوتا ہے عین وقت پہ ہر ماہ جلوہ گر — کیا خوش نما ہلال ہے ہمدرد نونہال

ہے نام اور کام میں پوری مطابقت — ہمدرد نونہال ہے ہمدرد نونہال

پڑھتے ہیں اہلِ درد بڑے شوق سے اِسے — ہمدردیوں کا حال ہے ہمدرد نونہال

بچّوں کی تربیت کے اصولوں سے آشنا — اُستادِ بے مثال ہے ہمدرد نونہال

اے فیض ملک و قوم کی تعمیر کے لیے
لاریب نیک فال ہے ہمدرد نونہال

تین پڑوسی

مناظر صدیقی

بہت دن ہوئے امریکا کا ایک کسان ہانس پیروں پر برف پر پھسلنے والے جوتے (اسکیٹ) باندھے ہوئے نہر کے کنارے کنارے اپنے گھر کی طرف تیز تیز چلا جا رہا تھا۔ اس کے کندھے پر ایک تھیلا پڑا ہوا تھا، جو تقریباً خالی ہی تھا۔ بس کچھ تھوڑے سے سیب تھے، جنھیں اس نے اپنے بچوں کے لیے بازار سے خرید ا تھا۔ بازار سے وہ اپنی بیوی کے لیے بادام لگا ہوا شہد کا کیک بھی نہیں خرید سکا تھا، کیوں کہ اُس روز اُسے جو مزدوری ملی تھی وہ اتنی کم تھی کہ اس میں وہ نہ تو اپنے بچوں گریٹ، پیٹر اور فرٹز کے لیے مٹھائیاں خرید سکتا تھا اور نہ اپنی بیوی کے لیے کیک۔ اُسے جلدی سے جلدی گھر پہنچنے کی فکر تھی، کیوں کہ موسم خراب ہوتا جا رہا تھا۔ ہر طرف کہر پھیلی ہوئی تھی۔ کسی وقت بھی دوبارہ برف باری شروع ہو سکتی تھی۔ برف باری تو یوں بھی کئی

ہانس نے گردن اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا کہ بادل کچھ چھٹے یا نہیں۔

دن سے ہو رہی تھی، جس سے اس کے کھیت کی فصل خراب ہو چکی تھی۔ جب ہی تو اسے مزدوری کی تلاش میں نکلنا پڑا تھا۔

ہانس ایک جگہ اپنے اسکیٹ کے تسمے کسنے کے لیے رُکا تو اُسے کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ کُہر میں گھور کر دیکھنے پر اس نے آنے والے کو پہچان لیا۔ یہ اس کا پڑوسی کاریل تھا۔ وہ آٹا پیسنے کی چکّی کا مالک تھا، لیکن جب فصل ہی خراب ہو چکی تھی تو اس کے پاس آٹا پسوانے کے لیے کون آتا۔ کاریل بھی بازار گیا تھا اور آٹے کے ایک تھیلے کے بدلے بیکری والے سے تین ڈبل روٹیاں لے کر گھر لوٹ رہا تھا۔ یہ روٹیاں کاریل کے تھیلے میں پڑی تھیں۔ اب دونوں پڑوسی ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ دونوں اپنے بچّوں اور بیویوں کے متعلق سوچ رہے تھے کہ گھر پر وہ سب بھوکے ہوں گے، لیکن دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ بھی نہ کہا۔ بس اپنے ہی خیالوں میں ڈوبے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد فرانز بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ وہ مویشیوں کے ایک فارم کا مالک تھا۔ فرانز بھی ان دونوں کی طرح تقریباً خالی ہاتھ تھا۔ اپنا ایک جانور بیچ کر اس نے کچھ سوکھا ہوا اور نمک لگا ہوا گوشت خریدا تھا۔ اپنے بچّوں کے لیے پھل پھر بھی نہیں خرید سکا تھا۔

تینوں پڑوسی خاموش تھے اور تیز تیز قدم اُٹھاتے اپنے گھروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ ہانس نے گردن اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا کہ بادل کچھ چھٹے یا نہیں، کیوں کہ بادل چھٹ جاتے تو چاند کی روشنی میں سفر کرنا آسان ہو جاتا۔ بادل تو خیر نہیں چھٹے تھے، لیکن بادل کے ایک بڑے ٹکڑے کے پیچھے سے چاند کی کرنیں زمین تک پہنچنے لگی تھیں۔ اس کی روشنی میں انھیں برف سے ڈھکا ہوا ایک کوٹھا نظر آیا۔ اسی وقت ہانس کو اس کوٹھے سے کسی کے رونے کی آواز سنائی دی۔

"سنو! سنو! یہ آواز کیسی ہے؟" ہانس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

اسی وقت وہ آواز پھر سنائی دی۔ کوئی ننّھا مُنّا بچّہ رو رہا تھا۔ فرانز نے کہا، "نہیں، یہ ناممکن ہے۔ یہ کوٹھا تو ڈی وِٹ کا ہے۔ وہ بہت دن پہلے اپنے مویشی یہاں سے لے جا چکا ہے۔ اب تو یہ کوٹھا بہت دِنوں سے خالی پڑا ہے۔"

تینوں ساتھیوں نے اپنے اسکیٹ کھول دیے اور کوٹھے کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ جیسے جیسے

کوٹھے کے قریب پہنچتے پہنچتے رونے کی آواز کم ہوتی گئی۔ پھر انھوں نے ایسی آواز بھی سُنی جیسے کوئی عورت بچّے کو لوری سُنا رہی ہو۔ تینوں سخت حیرت میں تھے۔ ذرا دیر تو وہ ہچکچاتے رہے، پھر ہانس نے کوٹھے کا دروازہ کھولا اور تینوں اندر داخل ہوئے۔ اندر ایک لالٹین جل رہی تھی۔ ایک عورت ایک ننھے مُنّے بچّے کو کپڑے میں لپیٹے گود میں لیے آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی۔ اس طرح ہلانے سے بچہ چُپ ہو گیا تھا۔ کوٹھے میں ایک مرد بھی تھا، جو ایک کونے میں سوکھی گھاس کے ڈھیر کو اس طرح برابر کر رہا تھا جیسے بستر بنانا چاہتا ہو۔ اس آدمی نے تینوں پڑوسیوں کو دیکھ کر سَر کے اشارے سے سلام کیا۔ پھر جب ماں اپنے بچّے کو گھاس کے نرم بستر پر لٹا دیا تو مرد ہانس، کارل اور فرانز کے پاس آیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ بہت دُور سے سفر کرتا ہوا آ رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اللہ میاں نے ان کے ہاں ایک نیا مہمان بھیج دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ خالی کوٹھا مل گیا ورنہ وہ اور ان کا نیا مہمان سردی میں ٹھٹھر کر مَر جاتے۔ پھر بھی وہ یہاں زیادہ دیر تک نہیں رُک سکیں گے، کیوں کہ ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔

تینوں اندر داخل ہوئے اندر ایک لالٹین جل رہی تھی اور ایک عورت بچّے کو گود میں لیے بیٹھی ہے۔

تینوں پڑوسی وہاں خاموش کھڑے تھے۔ شاید وہ سوچ رہے تھے کہ انھیں کیا کرنا چاہیے۔ پھر اُن تینوں نے اپنے اپنے تھیلوں کی چیزیں نکال کر اُس عورت کو دینی شروع کر دیں۔ ہانس نے سیب، کاریل نے ڈبل روٹیاں اور فرانز نے بُھنا ہوا گوشت نکال کر عورت کے سامنے رکھ دیے۔ پھر شرماتے ہوئے اُس عورت کے ننھے مُنّے بچّے کو دیکھا اور ایک ایک کرکے کوٹھے سے باہر نکل گئے۔

نہر کے کنارے پہنچ کر انھوں نے دوبارہ اسکیٹ پیروں پر باندھے اور خالی تھیلے کندھوں پر ڈال کر خاموشی سے اپنے گھروں کی طرف بڑھنے لگے۔ البتہ ان میں سے ہر ایک یہ سوچ رہا تھا کہ اب گھر پہنچ کر کیا ہوگا۔ وہ اپنے بچّوں کو کیا کھلائے گا؟ پھر اُن تینوں کو جب کوٹھے کی اُس عورت اور بچّے کا خیال آتا تو یہ سوچ کر اُنھیں بڑا اطمینان ہوتا کہ انھوں نے اپنے تھیلوں کی چیزیں اس عورت کو دے کر کوئی غلطی نہیں کی، بلکہ انھیں بڑا اطمینان ہوتا کہ انھوں نے ایک نیک کام کیا ہے۔

تینوں مسافر جیسے جیسے آگے بڑھتے جا رہے تھے ویسے ویسے تھیلوں کا وزن بڑھتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ جب وہ اپنے گاؤں میں داخل ہوئے تو تھیلوں کے وزن سے ان کی کمریں دُہری ہو چکی تھیں۔ پھر جب وہ اپنے گھروں کے دروازوں پر پہنچے تو تھیلوں کا وزن برداشت کرنا ان کے لیے مشکل ہو گیا۔

ہانس جب اپنے گھر کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوا تو اس کے بچّے جاگ رہے تھے۔ وہ سب "ابّا آگئے، ابّا آگئے" کہتے ہوئے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر جب اُس نے تھیلا زمین پر ڈال دیا تو سب بچّوں نے مل کر تھیلے کی ڈوری کھول دی۔ اب تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، کیوں کہ تھیلے میں سے سیب، سنگترے، ناریل اور ایسے ہی بہت سے پھل نکل کر فرش پر پھیل گئے تھے۔ اور بچّوں کی مٹھائیاں اور ماں کے لیے بادام لگا ہوا شہد کا کیک بھی موجود تھا۔ ہانس کے تمام بچّے اور بیوی بہت خوش تھے، لیکن ہانس خاموش تھا۔ دوسری طرف کاریل اور فرانز کے ہاں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ان کے بچّے اور بیویاں بہت خوش تھیں، لیکن ہانس، کاریل اور فرانز کوٹھے میں ملنے والے ماں، بچّے اور اُس آدمی کے متعلق سوچ رہے تھے جسے انھوں نے اپنی چیزیں دی تھیں۔

تم نے بڑی صفائی سے چوری کی ہے، کیا تم بتا سکتے ہو کہ ......
حضور! آپ تو میرے کام کی تعریف کر رہے ہیں، لیکن پولیس والوں نے تو مار مار کر میرا حلیہ بگاڑ دیا۔
میرے بچے کو ڈوبنے سے بچانے کے انعام میں میں تو تمھارے وزن کے برابر چاندی ابھی فوراً دے رہا ہوں، لیکن تم کہتے ہو چھے مہینے بعد۔
سیٹھ جی! بات یہ ہے کہ چھے مہینے میں کچھ تو میرا وزن بڑھ جائے گا۔

خوش بُو کی تلاش

معراج

ہم قہوہ پینے میں مصروف تھے کہ علامہ دانش کمرے میں داخل ہوئے۔ انھیں دیکھ کر ہر شخص احترام سے کھڑا ہو گیا۔ ہم نے بہت پُرجوش طریقے سے مصافحہ کیا اور گلے ملے۔ آندو نا فوراً قہوے کی پیالی لے آیا۔

کپتان مرشد نے پوچھا، "علامہ صاحب بہت دن بعد آپ سے ملاقات ہوئی ہے کیسے اتنا عرصہ آپ کہاں رہے؟"

علامہ قہوے کی چسکی لے کر بولے، "میں ایک سال تک خوش بُو کی تلاش میں امریکا کے جنگلوں کی خاک چھانتا رہا۔"

ہم علامہ کی بات کا مطلب نہیں سمجھے۔ انھوں نے کہا، "آپ جانتے ہیں کہ آج کل خوش بُو کا استعمال کتنی کثرت سے ہو رہا ہے۔ عطر، سینٹ، پوڈر، صابون، ٹوتھ پیسٹ کے علاوہ خوش بُو سیکڑوں چیزوں میں استعمال ہوتی ہے۔ دنیا کے بے شمار لوگ ہر روز کسی نہ کسی شکل میں خوش بُو استعمال کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر علامہ دانش ذرا دیر کے لیے رُکے، انھوں نے اپنی جیب سے ایک ڈبیا نکالی اور اسے کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اس میں ایک نیلگوں پھول رکھا ہوا تھا۔

علامہ نے جوش سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا، "یہ پھول جنوبی امریکا کے جنگلوں میں پایا جاتا ہے۔ شاید آپ لوگ یقین نہ کریں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ پھول خوش بُو اور عطر سازی کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دے گا۔ جو ملک اس پھول کا عطر نکالے گا وہ ہر سال کروڑوں رُپے کما سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر علامہ دانش ذرا دیر کے لیے رُکے۔ پھر انھوں نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور اس کا ڈاٹ کھول کر اپنی ہتھیلی پر بھورے رنگ کے سیال کے چند قطرے

ٹپکائے۔ کمرہ بھینی بھینی خوش بُو سے مہک اٹھا۔ علامہ نے پوچھا، "سچ بتائیے، آپ نے اس سے پہلے اتنی عمدہ خوش بُو سونگھی ہے؟" ہم سب ایک آواز ہو کر بولے، "کبھی نہیں۔"

علامہ دانش نے کہا، "جو کمپنی اس عطر کو نکالے گی وہ کروڑوں رُپے کمائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ لوگ اس عطر کو حاصل کرنے کے لیے منھ مانگے دام ادا کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔"

میں نے کہا، "علامہ صاحب آپ نے بالکل درست فرمایا۔ آپ کو ان پھولوں کو حاصل کرنے میں کیا دشواری ہے؟"

علامہ نے کہا، "یہ پھول جنوبی امریکا میں گیانا کے جنگلوں میں ملتے ہیں۔ مجھے اس کا سراغ مقامی باشندوں سے ملا تھا۔ اس پھول کی تلاش میں، میں دو سال تک جنگلوں میں گھومتا رہا، جس سے میری صحت خراب ہو گئی ہے۔ جب یہ پھول ملا تو خزاں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ پھول جھڑ رہے تھے اور اس کے بیج دست یاب نہ ہو سکے۔ اگر بیج مل

ہم قہوہ پینے میں مصروف تھے کہ علامہ دانش کمرے میں داخل ہوئے۔

جاتے تو میں اپنے ساتھ لے آتا اور گھر پر پودوں کی کاشت کرتا، لیکن افسوس مجھے امراض نے مہلت نہ دی۔ میں اگلی فصلِ بہار کا انتظار کیے بغیر لوٹ آیا۔ میں اپنے ساتھ چند پھول لا سکا تھا، جس کا عطر آپ نے سونگھا ہے۔"

یہ کہہ کر علامہ صاحب کچھ دیر تک قہوے سے شغل فرماتے رہے۔ پھر بولے، "ہمارے ساتھ ایک ہندو ملازم بھی تھا، جس کا نام رامن تھا۔ اُسے بھی پودے کے متعلق کچھ معلومات تھیں۔ جیسے ہی وہ پودا دریافت ہوا، رامن کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ کسی غیر ملکی کمپنی میں ملازم ہو گیا ہے۔ اس کمپنی نے رامن کو اُن پھولوں کے بیج لانے پر مامور کیا ہے۔ اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا تو میری محنت پر پانی پھر جائے گا۔"

میں نے مشورہ دیا، "آپ برطانوی حکام سے مل کر اس جعل ساز کو روکنے کی کوشش کیجیے۔" علامہ دانش سر ہلا کر بولے، "ناممکن، بالکل ناممکن، اس طرح تو پھولوں کا راز سب پر ظاہر ہو جائے گا۔ ہم اسے صرف اس طرح شکست دے سکتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے پہنچ جائیں۔" میں جلدی سے بولا، "کہیں آپ کا خیال جہاز سے پہنچنے کا تو نہیں ہے؟"

علامہ نے تائید کی، "آپ بالکل صحیح سمجھے۔"

کپتان مرشد نے پوچھا، "کیا وہاں کوئی ایسا وسیع میدان ہے جہاں طیارہ اُتارا جا سکے؟"

علامہ دانش بولے، "میدان تو کوئی نہیں ہے البتہ جھیلیں کافی موجود ہیں۔"

مرشد نے کہا، "خیر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارا جہاز خشکی اور تری دونوں جگہ اُتارا جا سکتا ہے۔ اب فرمائیے ہمیں کب روانہ ہونا چاہیے۔"

علامہ مسکرا کر بولے، "جلد از جلد۔"

تین دن کے بعد ہم گیانا کے دارالحکومت جارج ٹاؤن پہنچے۔ رات گزارنے کے لیے ہم تو ایک ہوٹل میں چلے گئے۔ علامہ دانش، رامن کے متعلق تفتیش کرنے چلے گئے۔ کافی دیر کے بعد واپس لوٹے اور ہمیں بتایا کہ رامن ابھی تک یہاں نہیں پہنچا ہے۔ حالات ابھی تک موافق تھے۔

اگلی صبح ہمارا طیارہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ علامہ دانش، کپتان مرشد کے ساتھ

ہی کاک پٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نقشہ ان کے سامنے پھیلا ہوا تھا، جسے دیکھ دیکھ کر وہ ہدایات دے رہے تھے۔ میدانی علاقہ عبور کرنے کے بعد نقشے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی، کیوں کہ اب ہمیں دریائے کابو کے ساتھ ساتھ پرواز کرنی تھی جو گھنے جنگل میں سانپ کی طرح پیچ وخم کھاتا ہوا بہ رہا تھا۔ یہ پرواز کوئی دو گھنٹے جاری رہی۔ سامنے ایک وسیع جھیل نظر آرہی تھی، علامہ نے کہا، "جہاز کو جھیل کے مشرقی کنارے پر اُتار لیجیے پھولوں کا ذخیرہ یہاں سے قریب ہی ہے۔"

پرندوں کا ایک غول پانی کی سطح پر تیر رہا تھا۔ مرشد نے ان سے بچ کر جہاز کو بہت مہارت سے پانی میں اُتارا۔ جہاز کچھ دُور تک پانی کے اوپر تیرتا چلا گیا۔ پھر کپتان مرشد نے ایک موڑ کاٹا اور جہاز کو سرکنڈوں کے جھنڈ کے نیچے کھڑا کر دیا۔

ہم جہاز سے اُترے اور پانی سے گزر کر کنارے پر پہنچے۔ ہر طرف مکمل سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی کسی پرندے کی آواز سنائی دے جاتی اور بس۔

علامہ دانش مسکرا کر بولے، "سفر خوب رہا۔ اس پرواز نے مسافت کو بہت مختصر کر دیا ہے، ورنہ پچھلی دفعہ میں جب یہاں پہنچا تھا تو دو مہینے لگ گئے تھے۔"

میں نے کہا، "اب آپ پروگرام طے کریں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

مرشد جھٹ سے بولا، "پہلے ہمیں ناشتا کرنا ہے۔ میری آنتیں بہت دیر سے قُل ھو اللّٰہ پڑھ رہی ہیں۔"

آزونا کہیں سے کھانے کی ٹوکری اُٹھا لایا اور چائے بنانے میں مصروف ہو گیا۔ علامہ دانش تفصیل سے سمجھانے لگے کہ ہمیں کیا کچھ کرنا ہے۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو آزونا نے ہمیں تین بڑے بڑے تھیلے دیے۔

کپتان مرشد بولا، "علامہ صاحب، معاف کیجیے گا میں آپ کا دو وجہ سے ساتھ نہیں دے سکتا۔ اوّل یہ کہ میں کھانے کے بعد آرام کیا کرتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ میں جہاز کو خالی چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔"

علامہ میری طرف مُڑ کر بولے، "یہاں جنگل میں درندے نہیں ہوتے۔ پھر بھی تم احتیاطاً بندوق ساتھ لیتے چلو۔"

میں اور علامہ دانش ایک تنگ سی پگ ڈنڈی پر چلنے لگے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ہم ایک کھلے میدان میں پہنچ گئے۔ یہاں پر بے شمار جنگلی اور خود رو (اپنے آپ اُگنے والے) پودے اُگے ہوئے تھے۔ ایک جگہ علامہ اچانک رُک گئے اور بولے، "سونگھنا ذرا۔" مسرت سے علامہ دانش کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ بہت ہی مسحور کُن خوش بُو آرہی تھی۔ میں نے دو تین لمبے لمبے سانس لیے اور کہا، "بے شک لاجواب خوش بُو ہے۔"

علامہ نے خوشی کا ایک نعرہ لگایا اور پھول توڑنے لگے۔ میں صحیح اور غلط میں امتیاز نہیں کر سکتا تھا، کیوں کہ وہاں ایک ہی جیسے پھول اُگے ہوئے تھے۔ علامہ بہت احتیاط سے چُن چُن کر پھول توڑ رہے تھے۔

میں نے کندھے سے بندوق اُتاری اور اُسے ایک درخت کی ٹہنی سے لٹکا دیا اور پھر گھاس پر لیٹ گیا۔ جب علامہ صاحب نے تینوں تھیلے پھولوں اور بیجوں سے بھر لیے تب انھوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔

جب ہم چلنے لگے تو ہمیں جھیل کی جانب سے جہاز کے انجن کا شور سنائی دیا۔ ہم یہ سمجھے کہ مرشد جہاز کو کسی اور جگہ لے جا رہا ہے۔ ہم اپنے خیالوں میں مگن چلے جا رہے تھے کہ اچانک دو آدمی درختوں کے پیچھے سے نکل کر ہمارے سامنے آگئے۔ ان میں سے ایک کالا تھا اور دوسرا گورا۔ میں صحیح صورتِ حال سمجھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ کالے نے پستول نکالی اور ہماری طرف رُخ کر کے بولا، "ہاتھ اوپر اُٹھا لو۔" میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر بندوق کی طرف گیا۔ کالا آدمی پھر دہاڑ کر بولا، "خبردار کوئی حرکت نہ کرنا ورنہ گولی مار کر بھیجا اُڑا دوں گا۔"

ہم نے تھیلے زمین پر ڈال دیے اور ہاتھ اوپر کر کے کھڑے ہو گئے۔ میں اپنی اس بے پروائی پر بہت شرمندہ تھا کہ میں بندوق کو کندھے پر لٹکائے ہوئے گھومتا پھرتا رہا، حال آنکہ بندوق خطرے کے وقت میرے ہاتھ میں ہونی چاہیے تھی۔ کالا آدمی رامن تھا۔ اس نے بھی جنگل میں پہنچنے کے لیے ہوائی راستہ اختیار کیا تھا۔

رامن اس صورتِ حال سے بہت لُطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ ہنس کر بولا، "جون، تم ان کے ہاتھوں سے تھیلے لے لو۔ یہ بندوق بھی اُتار نے لانا۔ بندوق اتارتے وقت جون ہنسا

اور میرا خون کھولنے لگا، لیکن فقیر درویش بجانِ درویش میں اُسے دیکھتا رہا۔ رامن نے ایک قہقہہ لگایا، "اب تم اباؤٹ ٹرن ہو جاؤ، شاباش! خبردار پیچھے مُڑ کر مت دیکھنا ورنہ بھیجا اُڑا دوں گا۔" رامن نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ وہ دونوں چلے گئے۔ غصّے اور شرمندگی سے میرا حال بہت بُرا ہو رہا تھا۔

علامہ میرا کندھا تھپک کر بولے، "پروا مت کرو۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب رنج کرنے سے کیا فائدہ؟" میں نے کہا، "میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم ان کا پیچھا کریں، ممکن ہے کہ ہم ان سے پھول اور بیج لینے میں کام یاب ہو جائیں۔"

عین اسی وقت آزونا بھی وہاں آ گیا۔ اس کے کپڑے پسینے سے بھیگ رہے تھے۔ وہ ہانپتے ہوئے بولا، "صاحب، مرشد جی نے یہ تھیلے اور بندوق بھیجی ہے اور کہا ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے اس کی فکر نہ کرنا، بس یہ تھیلے پھولوں اور بیجوں سے بھر کر فوراً واپس آ جانا۔"

میں نے حیران ہو کر پوچھا، "کیا اسے معلوم ہے کہ ہمارے ساتھ کیا گزری ہے؟" پھر

کالے آدمی نے پستول نکالی اور بولا، "ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

بات کچھ کچھ میرے ذہن میں آنے لگی۔ میں نے پوچھا، "کیا تم نے کوئی اور جہاز بھی اُترتے ہوئے دیکھا ہے؟"

آزونا بولا، "جی ہاں، وہ لوگ جھیل کے دوسری طرف اُترے ہیں۔"

میں نے غصے اور جوش سے کہا، "کیوں نہ پہلے ان سے نپٹ لیا جائے۔"

آزونا بولا، "مرشد صاحب نے کہا تھا کہ آپ لوگ پھول لیتے آئیے۔ باقی کام مجھ پر چھوڑ دیجیے۔"

ہم پھولوں کے ذخیرے تک گئے۔ ذرا سی دیر میں ہم نے پھولوں اور بیجوں سے نہ صرف تھیلے بھر لیے بلکہ اپنی جیبیں بھی بھر لیں۔ پھر ہم دوڑتے ہوئے واپس لوٹے۔ جہاز پر پہنچ کر دیکھا کہ مرشد چائے سے شغل فرما رہے ہیں۔ ہمیں دیکھتے ہی اُس نے زور سے کہا، "بھئی واہ وا، کیسی عمدہ خوش بُو آ رہی ہے۔"

علامہ دانش نے مختصر طور سے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کو بیان کیا۔

میں نے کہا، "کیا ان لوگوں کا جہاز ابھی تک زمین پر موجود ہے؟"

مرشد نے بہت مختصر سا جواب دیا، "جی ہاں۔"

میں نے حیران ہو کر پوچھا، "وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟ اُسے تو اب تک چلا جانا چاہیے تھا۔" کپتان مرشد مسکرا کر بولا، "شاید ان کے جہاز میں کچھ خرابی ہو گئی ہے۔"

"اب پہیلیاں تو نہ بجھواؤ۔" میں نے بے چینی سے کہا۔

کپتان مرشد نے چائے کی پیالی تپائی پر رکھ دی اور کہا، "ارے بھولے بادشاہ! جیسے ہمیں ان کے آنے کی امید نہیں تھی، اسی طرح وہ بھی ہمارے آنے سے بے خبر تھے۔ جیسے ہی ان کا جہاز زمین پر اُترا میں فوراً پہچان گیا کہ یہ کون ذاتِ شریف ہیں۔ جہاز میں صرف دو آدمی تھے اور وہ دونوں ہی پھولوں کی تلاش میں چل دیے۔ یہی ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ کم از کم پائلٹ کو ضرور جہاز کے نزدیک کھڑا ہونا چاہیے تھا۔"

میں نے بے تابی سے پوچھا، "پھر کیا ہوا؟"

کپتان مرشد مسکرا کر بولا، "ہونا کیا تھا، میں اور آزونا جہاز کی طرف لڑھک گئے اور اس کا اسپارکنگ پلگ نکال لائے۔ بس جہاز اب تک زمین پر آرام کر رہا ہے۔"

پھر کپتان مرشد علامہ دانش سے مخاطب ہوا، "کیا یہ اُچکا پیدل گھر پہنچ سکتا ہے؟"
علامہ نے کہا، "ہاں، کیوں نہیں؟ یہ جنگل کے چپّے چپّے سے واقف ہے۔ اسے شہر تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔ یہ علاقہ جنگلی جانوروں سے بھی محفوظ ہے۔"

کپتان مرشد نے پوچھا، "شہر تک پہنچنے میں کتنا عرصہ لگ جائے گا؟"

علامہ کچھ سوچ کر بولے، "کوئی چھے ہفتے۔"

کپتان مرشد نے پوچھا، "آپ اس عرصے میں عطر اپنے نام پر رجسٹرڈ کروا سکتے ہیں۔"

علامہ بولے، "بہت آسانی سے۔"

کپتان مرشد بولا، "میرا فیصلہ ہے کہ رامن اور اس کے ساتھی پیدل واپس جائیں گے۔ اب آپ لوگ جلدی سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جائیے۔ رامن اور اس کے ساتھی کو جہاز کی خرابی کا علم ہو گیا تو وہ ہماری تلاش میں ادھر آئیں گے اور خون خرابے تک نوبت آجائے گی۔"

علامہ بولے، "ممکن ہے کہ وہ واپس پہنچ کر کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم پلگ ان کے حوالے کر دیں۔"

مرشد چڑ کر بولا، "جناب، یہ لوگ رحم کے مستحق نہیں ہیں۔ وہ آپ پر پستول تانے رہے، کیا یہ جرم نہیں ہے؟ وہ آپ کا مال و متاع لوٹ کر لے گئے، کیا یہ جرم نہیں ہے؟ وہ آپ کی تحقیق کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا چاہتے ہیں، یہ تو ایسا ہی سنگین جرم ہے جیسا کہ ڈاکا ڈالنا۔ کوئی اور عدالت تو انھیں ڈرانے دھمکانے اور چوری کی سزا کے طور پر انھیں لمبا ہی بھیجتی۔ میں انھیں صرف چھے ہفتے کی سزا سنا رہا ہوں۔"

مرشد نے جہاز اسٹارٹ کیا اور اُسے جھیل کے درمیان میں لے آیا۔ جوں ہی جہاز اُڑنے لگا دو آدمی پانی میں اُتر کر دوڑتے ہوئے ہماری طرف آئے۔ مرشد نے کھڑکی سے منھ نکالا اور زور سے بولا، "الوداع۔"

چند لمحوں میں جہاز پانی کی سطح سے بلند ہو کر ہوا میں اُڑنے لگا۔ علامہ بتا رہے تھے کہ یہ خوش بُو پھولوں کے مُرجھاتے ہی ختم ہو جائے گی اور ان کے پاس کوڑے کچرے کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ ہمارا جہاز پھولوں کی خوش بُو سے مہک رہا تھا۔

دور کی نظر

س: میری عمر ۱۴ سال ہے جبکہ میری دور کی نظر بہت کمزور ہے۔ میں مائنس پانچ نمبر کا چشمہ لگاتا ہوں۔ کوئی ایسا علاج بتایئے کہ میری نظر بہتر ہو جائے۔

کاشف نوید، کراچی

ج: کاشف میاں، بعض حالات میں بینائی پیدائشی طور پر کمزور ہوتی ہے۔ اس کا درحقیقت کوئی شافی علاج نہیں ہے، اس لیے عینک لگانا اچھا ہے۔ اس سے بینائی میں زیادہ کمزوری نہیں آتی۔ آنکھوں کی مناسب ورزشیں مدد کرتی ہیں، مثلاً کھلے میدان میں کھڑے ہو کر پہلے دور دیکھیں، پھر آنکھیں بند کریں پھر کھولیں، پھر سیدھی طرف دیکھیں، پھر بائیں طرف۔ اس طرح بیس پچیس بار کریں، اس کے بعد آنکھوں کو دائرے میں دائیں سے بائیں اور پھر بائیں سے دائیں گھمائیں۔ یہ اچھی ورزش ہے۔ صبح روزانہ کرلینی چاہیے۔

ہونٹوں پر پپڑی

س: میرے ہونٹوں کی کھال اُتر جاتی ہے، پھر ہونٹ ایک آدھ دن تک تو صحیح لگتے ہیں مگر پھر سخت ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور دو چار دن میں پپڑی سی بن جاتی ہے بہت علاج کیا مگر بے سود، ملائی اور کریم سبھی کچھ لگایا۔ ڈاکٹر کو بھی دکھایا۔

ملک عطیہ، جام شورو

ج: ممکن ہے کہ آپ کو موتی جھرا (ٹائی فائڈ بخار) ہوا ہو اس میں اور اس کے بعد بعض حالات

میں ہونٹ متاثر ہوجاتے ہیں ۔ ویسے یہ اُسی طرح ہے جس طرح جسم کے دوسرے مقامات پر خشکی اور خارش ہوجاتی ہے ۔ کوئی اچھا سا مرہم رات کو ہونٹوں پر لگانا چاہیے ۔ ممکن ہے کہ دہی کی بالائی ہونٹوں پر لگانے سے فائدہ ہوجائے ۔

آنکھوں میں اندھیرا

س: آنکھوں کے سامنے اندھیرا کیوں آجاتا ہے ؟ مقبول احمد، جھنگ

ج: اکثر و بیشتر حالات میں ایسا خون کی کمی کے مرض میں ہوتا ہے اور جب سر کی طرف دورانِ خون کم ہوجاتا ہے تو بھی بیٹھ کر اٹھنے پر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے ۔ خون کا دباؤ کم ہوجائے تو بھی ایسا ہوسکتا ہے ۔ اگر جسم کو پوری غذائیت نہ مل رہی ہو تو بھی ایسا ہوجاتا ہے جو نوجوان اعتدال سے کام نہیں لیتے اور اپنے ہاتھوں اپنی صحت کے پیچھے پڑجاتے ہیں اُن کو بھی آنکھوں تلے اندھیرا چھا جانے کی تکلیف ہوجاتی ہے ۔

انڈے کے فائدے

س: انڈے میں کون سا وٹامن ہوتا ہے ؟ کیا انڈا گرتے بالوں کے لیے مفید ہے ؟

محمد اعظم علی، کراچی

ج: اطبا اور ماہرینِ غذا کی رائے میں انڈا ایک مکمل غذا ہے ۔ مکمل غذا سے مراد کھانے پینے کی وہ چیزیں ہیں جن میں ہمارے جسم کی تعمیر اور صحت کے لیے ضروری غذائی اجزا موجود ہوں ۔ انڈے کا شمار بھی ایسی ہی غذاؤں میں ہوتا ہے ۔ انڈوں میں لحمیات، چکنائی، معدنی نمکیات، نشاستے (کاربوہائیڈریٹ) کیلشیم، فاسفورس، فولاد، حیاتین الف (وٹامن اے)، حیاتین ب (وٹامن بی) اور دیگر اہم غذائی اجزا پائے جاتے ہیں ۔

یہ اجزا ہمارے جسم کی تعمیر کے علاوہ امراض سے بچاؤ کی صلاحیت بھی پیدا کرتے ہیں ۔ اچھی اور مکمل غذا کے استعمال سے جسم مضبوط ہوتا ہے ۔ بال بھی ہمارے جسم ہی کا حصّہ ہوتے ہیں ۔ جسم کو اچھی غذا ملے گی تو یہ بھی صحت مند اور مضبوط رہیں گے ۔ اس لیے انڈوں کا کھانا اور بالوں میں لگانا بالوں کے لیے مفید سمجھا جاتا ہے ۔ طب میں انڈے کی زردی کا تیل (روغن بیضہ مرغ) اس مقصد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ اسے تیل میں ملا کر لگانے سے بال خوب بڑھ سکتے ہیں اور وقت سے پہلے سفید نہیں ہوتے، لیکن بوڑھے

لوگوں کو یا جو ورزش یا جسمانی محنت نہیں کرتے ان کو زیادہ انڈے کھانے سے احتیاط برتنی چاہیے۔

منھ میں پانی بھر آنا

س: جب ہم کوئی کھٹّی چیز دیکھتے ہیں تو ہمارے منھ میں پانی کیوں آجاتا ہے؟

عبدالسلیم خان، کراچی

ج: اور تمام باتوں کی طرح چیزوں کی شکلیں، رنگ، روپ اور ذائقے بھی ہمارے حافظے میں محفوظ رہتے ہیں۔ اس لیے ہم جب بھی اُن چیزوں کو دیکھتے یا ان کا تصوّر کرتے ہیں تو اُن کا ذائقہ بھی یاد آجاتا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ ہمارے منھ میں لعاب یا تھوک پیدا کرنے والے غُدود ہوتے ہیں۔ یہ غُدود ہمارے منھ کو تر رکھتے ہیں۔ ان کا لعاب غذا کو چبانے اور نگلنے میں مدد دیتا ہے۔ اس سے غذا ہضم ہونے میں بھی مدد ملتی ہے۔ تیز اور تُرش چیزوں سے ان غدودوں کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ اسی لیے نہ صرف تُرش بلکہ ہر قسم کی چٹ پٹی چیزیں دیکھ کر دماغ ان غدودوں کے عمل کو فوراً جگا دیتا ہے اور ہمارے منھ میں پانی بھر آتا ہے۔ یہ عمل صرف ان چیزوں کو دیکھنے سے ہوتا ہے جن کے ذائقے سے ہم واقف ہوتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص نے لیمو چکّھا ہی نہ ہو اور وہ اس کے ذائقے سے واقف ہی نہ ہو تو اس کے منھ میں لیمو کی قاش دیکھ کر پانی نہیں آئے گا۔

پنڈلیوں میں درد

س: میری عمر ۱۲ سال ہے۔ میری دونوں پنڈلیوں میں درد رہتا ہے۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیں۔

سہیل احمد، کراچی

ج: ایسا لگتا ہے کہ آپ کی صحت کم زور ہے۔ غذا میں حیاتین کی کمی آرہی ہے۔ جسم کو صحیح غذا نہیں مل رہی ہے۔ پھل ترکاریاں زیادہ کھائیے۔ اگر آنتیں صاف نہ ہوں ممکن ہے کہ کیڑے ہوں تو اُن کا علاج کرلینا چاہیے۔

پیٹ میں کیڑے

س: میری عمر ساڑھے پندرہ سال ہے۔ میں نویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ میرے پیٹ میں کیڑے ہیں، جس سے پیٹ بڑا معلوم ہوتا ہے اور کھانے کے تھوڑی دیر بعد پھر بھوک لگتی ہے۔ بہت علاج کے بعد بھی افاقہ نہ ہوا۔

محمد ریحان خان، کراچی

ج ایک بار تو ان کیڑوں کو صاف کرنا ہی ہوگا۔ آپ کسی اچھے دواخانے سے صاف کیا ہوا کمیلا خرید لیں۔ ۳ گرام کی ایک پُڑیا خوب میٹھے دودھ کے ساتھ رات سوتے وقت کھالیں۔ صبح روغن بید انجیر (کیسٹر آئل) ۳۰ گرام لیں اور دودھ میں ملا کر پی لیں۔ اس سے دست ہوں گے اور کمیلے کے اثر سے کیڑے جو بے ہوش ہو چکے ہوں گے وہ نکل جائیں گے۔ رات پھر دوسری خوراک (۲ گرام کمیلا) کھائیے اور دوسرے دن صبح پھر روغن پی لیجیے۔ دو دن میں پیٹ صاف ہو جائے گا۔ اب ۱۵-۲۰ دن تک روزانہ صبح قرص املاح پانی کے ساتھ کھائیے تاکہ کیڑے دوبارہ پیدا نہ ہوں۔

جسم پر دانے

س: میری عمر ۱۶ سال ہے اور میرے جسم پر دانے بہت زیادہ ہیں۔ خاص طور پر سینے اور پیٹھ پر ہیں۔ نہ خارش ہوتی نہ کوئی شکایت ہے۔

عبدالمغیث انصاری، کراچی

ج: ممکن ہے کہ صفائی کی کمی کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہو۔ جسم کی صفائی تو نہاتے رہنے سے ہو جاتی ہے مگر آنتوں کی صفائی بھی ضروری ہے۔ اگر کسی وجہ سے قبض ہو تو اسے رفع کرنا چاہیے، کیوں کہ اگر آنتوں میں فُضلہ زیادہ دیر رُک جائے اور رہ جائے تو اس سے جو زہر پیدا ہوتا ہے وہ خون میں مل کر جلد پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ قبض رفع کرنے کے لیے گولیوں کا استعمال ہمیشہ مفید نہیں ہوتا۔ مناسب ہے کہ گوشت کم سے کم کھائیے اور پانی زیادہ سے زیادہ پیجیے۔ نہار منھ خوب پانی پینے سے آنتیں دُھل جاتی ہیں۔

مسکراتے جملے
انوکھے نکتے

تحفے

عظیم اقوال
دل چسپ تحریریں

ایک شعر

مرسلہ: رفیع اللہ شہاب، صوابی مردان

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

— علامہ اقبال

فیاضی

مرسلہ: فرخ احسان، کراچی

حضرت ابراہیمؑ اس وقت تک کھانا تناول نہ فرماتے تھے جب تک کوئی مہمان دسترخوان پر موجود نہ ہوتا۔ ایک دن کوئی بھی مہمان نہ آیا تو آپ تلاش میں بستی سے باہر گئے۔ وہاں ایک بوڑھا راہ گیر جا رہا تھا۔ آپ اس کو لے آئے اور اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا، لیکن کھانا شروع کرتے وقت اس نے اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے دل میں ارادہ کر لیا کہ ایسے ناشکرے کو آیندہ کبھی اپنے دسترخوان پر نہ بلواؤں گا۔ اُس وقت غیب سے آواز آئی:

"اے ابراہیمؑ، اس بوڑھے نے ایک دفعہ شکر ادا نہ کیا تو تم نے آیندہ کے لیے اس کو نہ کھلانے کا عزم کر لیا۔ ذرا میری فیاضی کا اندازہ لگا کہ بچپن سے لے کر اب تک اس نے ایک دفعہ بھی میرا نام نہ لیا، لیکن آج تک میں نے اس کا رزق بند نہ کیا۔"

دوستی

مرسلہ: دل عزیز، لیاقت آباد

- انسان جتنا زیادہ اچھا ہوگا اس کے اتنے ہی دوست ہوں گے۔
- دوستی میں پُرخلوص رہ، مگر دوست کے اخلاص کو کبھی کبھی آزما لیا کر۔
- انسان کے کردار کو اس کے دوستوں سے بھی پہچانا جا سکتا ہے۔
- سچی دوستی وہ ہے جس میں باہمی توقعات پوری ہوں۔
- بہترین دوست وہ ہے جو تجھے تیرے عیوب سے آگاہ کرتا ہے۔

اب گھوڑوں کی ضرورت نہیں

مرسلہ: محمد یونس اسحاق، کراچی

ہم نے پچھلی بار جاپان سے آکر لکھا تھا کہ "ضرورت ہے جاپان کے لیے ایک گدھے کی۔" اس پر بہت سے خط آئے کہ ہم بالکل گدھے ہیں، ہمیں جاپان بھجوا دیجیے۔ ہمیں وضاحت کرنا پڑی کہ صاحبو! گدھے

مت بنو۔ بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہاں تمھاری نہیں بلکہ پیچ مچ کے گدھے یعنی جانور کی ضرورت ہے ، چڑیا گھر کے لیے۔ جاپانیوں کا خیال تھا کہ جاپانی بچے چڑیا گھر میں گدھا دیکھیں گے اور ان کو معلوم ہو گا کہ یہ پاکستان سے آیا ہے تو وہ اس رشتے سے پاکستان سے بھی متعارف ہوں گے اور پاک جین دوستی کا راستہ کھلے گا۔ —— ابنِ انشا

سینکڑوں سکندر

مرسلہ: محمد خورشید احمد، کراچی

روایت ہے کہ ایک بار رستم اور ارسطو کہیں جا رہے تھے۔ سکندر اپنے استاد کے ادب کے خیال سے اس سے ایک قدم پیچھے چل رہا تھا کہ راستے میں ایک پہاڑی اور برساتی ندی آگئی۔ بارش کی وجہ سے اس کا بہاؤ تند و تیز تھا۔ اس کے کنارے پر پہنچ کر اُستاد اور شاگرد میں ایک بحث چھڑ گئی۔

ارسطو کا کہنا تھا، "پہلے ندی میں عبور کروں گا۔"

سکندر کا اصرار تھا، "نہیں ندی میں پہلے عبور کروں گا۔"

اس بات پر بحث مباحثے کا نتیجہ سکندر کے حق میں نکلا۔ جسے ارسطو نے بادلِ ناخواستہ قبول کر لیا۔ اب سکندر نے پہل کی اور ندی عبور کر گیا۔ پھر ارسطو کو پار کرنے کے لیے اشارہ دیا۔ ندی پار کر لینے کے بعد ایک بار پھر ارسطو کا ملال اُبھر آیا۔

اُس نے سکندر سے کہا، "تم نے مجھے ندی پہلے عبور نہیں کرنے دی۔ اس طرح تم نے میری حق تلفی بھی کی اور توہین بھی۔ سکندر نے کہا، "نہیں، میں نے آپ کی توہین نہیں کی بلکہ میں نے آپ کا حق بھی ادا کیا اور اپنا فرض بھی پورا کیا ہے۔" ارسطو نے پوچھا، "وہ کیسے؟" سکندر نے جواب دیا، "دیکھیے ندی کا پانی زوروں پر تھا اور اس میں ڈوب جانے کا اندیشہ موجود تھا، اب اگر اس میں سکندر ڈوبتا تو صرف ایک ہی سکندر ڈوبتا اور اگر ارسطو ڈوبتا تو پھر ایک ارسطو نہیں بلکہ صدہا سکندر ڈوب جاتے۔"

"کیا مطلب؟" ارسطو نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کہ صدہا سکندر مل کر بھی ایک ارسطو نہیں پیدا کر سکتے، لیکن ایک ارسطو صدہا سکندر پیدا کر سکتا ہے۔"

یہ سُن کر ارسطو کا دل باغ باغ ہو گیا۔

آتش پرست

مرسلہ: محمد ارشد مقارب، ٹنڈوالہ یار

مشہور بزرگ احمد حربؒ نے ایک پڑوسی سے جو آتش پرست تھا، پوچھا، "تم لوگ آگ کو کیوں پوجتے ہو؟"

آتش پرست نے جواب دیا، "اس لیے کہ آگ ہمیں عذاب سے بچالے۔"

آپ نے فرمایا، "جو چیز اتنی کم زور ہو کہ ایک بچّہ

اس پر پانی ڈال دے تو وہ بجھ جائے۔ پھر وہ تمھیں خدا کے عذاب سے کس طرح بچا سکتی ہے؟"

آتش پرست خاموش رہا۔ آپؒ نے دوبارہ فرمایا، "تم نے ستر سال تک اس کی پوجا کی ہے اور میں نے اُسے بے حقیقت سمجھا۔ آؤ! ہم دونوں اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ پھر دیکھیں یہ تمھارا کتنا خیال کرتی ہے؟"

آتش پرست نے دل پر شیخ احمد حربؒ کی باتوں کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

ایک اُنگلی تین اُنگلیاں

مرسلہ: شہناز گل، پشاور

ایک روز چین کا فلسفی کنفیوشس کسی خیال میں گم بیٹھا ہوا تھا۔ قریب چند اشخاص اور بیٹھے تھے اور آپس میں اشارے کر کے اس کا مذاق اُڑا رہے تھے، صرف اس لیے کہ وہ نادار اور خستہ حال تھا۔ اُسے ان کے اشاروں کا احساس ہو گیا۔ پہلے وہ دیکھتا رہا اور پھر مسکرا کر بولا:

"لوگو! جب تم کسی جانب انگلی اُٹھا کر انگشت نمائی کرتے ہو۔ تو جانتے ہو کیا ہوتا ہے؟"

"کیا ہوتا ہے؟" لوگوں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمھاری تین انگلیاں خود تمھاری طرف اشارہ کر رہی ہوتی ہیں۔"

کنجوس

مرسلہ: محمد عمران صدیق، اسلام آباد

ایک کنجوس آدمی کی بیوی بستر مرگ پر پڑی تھی۔ رات ہو گئی تھی کمرے میں ایک موم بتی جل رہی تھی۔ کنجوس آدمی کو دس میل دُور شہر سے ڈاکٹر کو بُلانے کے لیے جانا تھا۔ اس نے چلتے وقت اپنی بیوی سے کہا، "میں جا رہا ہوں۔ اگر خدا نہ کرے میرے آنے سے پہلے تمھارا آخری وقت آ جائے تو ایک بات یاد رکھنا مرنے سے پہلے موم بتی ضرور گل کر دینا۔

اسلام کا پیغام

مرسلہ: نازنین صدیقی، لیاقت آباد

انسانی حقوق میں سب سے مقدّم اور اہم حق والدین کا ہے۔ اولاد کو والدین کا مطیع، خدمت گزار اور ادب شناس ہونا چاہیے۔ معاشرے کا اجتماعی اخلاق ایسا ہونا چاہیے، جس میں اولاد والدین سے بے نیاز اور سرکش نہ ہو، بلکہ اُن سے نیک سلوک کرے۔ ان کا احترام ملحوظ رکھے اور بڑھاپے میں ان کی وہی ناز برداری کرے جو کبھی بچپن میں وہ والدین اس کی کر چکے ہیں۔

محبّت داناؤں کی نظر میں

مرسلہ: نوشابہ سلیم، کشور کالونی

- محبّت وہ کھیل ہے جس میں عقل ہار جاتی ہے۔ (مسولینی)
- محبّت ایک طلسمی چراغ ہے جو اندھیرے سے روشنی اور روشنی سے اندھیرے کی طرف لے جاتا ہے۔ (کمال اتاترک)
- محبّت کی صحیح قیمت وہ ہے جو اپنی بساط سے

باہر ہے۔ (ڈیوک)

■ مقدس ترین محبت وہ ہے جو ممنونِ اظہار نہ ہو۔ (نامعلوم)

اندھی دولت

مرسلہ: ریاض احمد، جدہ سعودی عرب

امیر تیمور ایک ٹانگ سے لنگڑا تھا۔ جب اس نے سمرقند فتح کیا تو ایک اندھی عورت بھی قیدیوں میں شامل تھی۔ امیر تیمور نے پوچھا، "تیرا نام کیا ہے؟"

اندھی عورت بولی، "میرا نام دولت ہے۔"

امیر تیمور نے پوچھا، "کیا دولت اندھی ہوتی ہے؟" اندھی عورت نے جواب دیا، "اگر اندھی نہ ہوتی تو لنگڑے کے ہاتھ کیسے آتی۔"

استاد کا مشورہ

مرسلہ: روبینہ شاہین، کراچی

میرے استاد ہمیں جو اچھی اچھی باتیں بتاتے ہیں میرا دل چاہتا ہے وہ دوسرے بچے بھی سنیں اور عمل کریں۔ ہمارے اسکول میں چھٹیوں سے پہلے آخری دن تھا۔ ہماری کلاس ٹیچر نے چھٹی سے قبل یہ نصیحت کی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میری استانی کی یہ بات اس ملک کا ہر نونہال پڑھے۔ ہماری ٹیچر نے فرمایا:

"میرے بچو! زندگی اتنی کٹھن نہیں جتنی تم سوچتے ہو۔ مایوسی کے اندھیروں سے بچو۔ زندگی سے پیار کرنا سیکھو کہ زندگی تو چاہے جانے اور پوجا کیے جانے کے قابل ہے۔ زندگی کا حُسن چاروں طرف بکھرا پڑا ہے۔ اس سے لطف اندوز ہونا سیکھو کہ اسی میں ہمارا قلبی سکون اور فلاح کا راستہ ہے۔

دو شعر

مرسلہ: سید محمد عترت رضا کاظمی، لاہور

دل تو اپنا اُداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

(ناصر کاظمی)

نماز کیا ہے؟

مرسلہ: مسعود کامل، کورنگی

■ نماز رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔
■ نماز ایمان کی کسوٹی ہے۔
■ نماز چہروں کی رونق ہے۔
■ نماز اسلام کی بُنیاد ہے۔
■ نماز ایمان کی علامت ہے۔
■ نماز جنّت کی کنجی ہے۔
■ نماز مسلمانوں کا ہتھیار ہے۔
■ نماز مسلمانوں کی معراج ہے۔
■ نماز بُرائی کے خلاف جہاد ہے۔
■ نماز مسجدوں کی رونق ہے۔

س: انسان کو چھینک کیوں آتی ہے؟ اس کی سائنسی وجہ بتائیے؟

فیصل کریمی، کراچی

ج: چھینک ایک قدرتی حفاظتی عمل ہے جو ہمیں بہت سے جراثیم کے حملوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ جب گرمی سردی کا زیادہ فرق ہوتا ہے یا کوئی چیز ہماری ناک میں داخل ہوتی ہے تو ناک کے اندر کی جھلی میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور ہم بڑے زور سے باہر کی طرف سانس لیتے ہیں، جسے چھینک کہتے ہیں۔ چھینک کی رفتار بہت زیادہ ہوتی ہے اور ہمیں اس طرح اُس شے سے نجات مل جاتی ہے جو ناک میں داخل ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس طرح یہ ایک قدرتی حفاظتی عمل ہے۔

س: بادل کیوں گرجتے ہیں؟ اس کے کیا اسباب ہیں؟

زہرہ جبیں

ج: بادلوں میں دو طرح کا چارج موجود رہتا ہے۔ مثبت اور منفی۔ جب ایسے دو بادل ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں تو منفی چارج دوسرے یعنی مثبت چارج کی طرف لپکنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہوا درمیان میں مزاحمت کرتی ہے تو زور کا کڑا کا پیدا ہوتا ہے جسے گرج کہتے ہیں اور ساتھ ہی شرارہ پیدا ہوتا ہے جسے ہم بجلی کہتے ہیں۔ جب یہ چارج زمین میں اُترتا ہے تو ہم کہتے ہیں فلاں جگہ بجلی گری۔

س: سمندر کا پانی نمکین کیوں ہوتا ہے اور وہ جب آبی بخارات بن کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر بارش کی صورت میں زمین پر برستا ہے تو وہ میٹھا کیوں ہو جاتا ہے؟ مرسلہ: محمد فیصل، کراچی

ج: ہماری زمین کی عمر چار ارب بتائی جاتی ہے۔ اربوں سال سے دنیا بھر کے دریا سمندروں میں اپنا پانی لاکر ڈال رہے ہیں۔ پانی کے ساتھ مٹی کے نمک بھی آرہے ہیں۔ اربوں سال سے سمندروں کا پانی تو ابخرات بن کر اڑتا رہا ہے، لیکن نمک نہیں اُڑتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سمندروں کے پانی میں نمک گھلتا رہا اور جمع ہوتا رہا، جس سے سمندروں کا پانی بے حد نمکین ہو گیا ہے۔ سمندروں سے جو ابخرات اُٹھتے ہیں وہی بادل بنتے ہیں اور برستے ہیں۔ ان ابخرات میں نمک موجود نہیں ہوتا، اس لیے بارش کا پانی نمکین نہیں ہوتا، میٹھا ہوتا ہے۔

س: لاؤڈ اسپیکر میں بولنے سے آواز کیوں تیز ہو جاتی ہے؟ محمد علی صابر بلوچ، گوادر

ج: آواز ایک طرح کی توانائی ہے اور بجلی بھی ایک طرح کی توانائی ہے۔ آواز کو ہلکی برقی لہروں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ جب ہم لاؤڈ اسپیکر میں بولتے ہیں تو ہماری آواز برقی لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس بجلی کو بڑھا دیا جاتا ہے اور وہ پھر آواز میں تبدیل ہوتی ہے تو پہلے کے مقابلے میں زیادہ آواز سنائی دیتی ہے۔

س: راڈر کیا ہے؟ کیا اس کی لہریں تصویر بھی اُتار سکتی ہیں؟ شمشیر خان، کراچی

ج: یہ لفظ راڈر نہیں ریڈار (RADAR) ہے۔ انگریزی میں یہ لفظ "Radio Detection and Ranging" کے شروع کے حروف لے کر بنایا گیا ہے۔ یہ ایک مشین ہے جو آس پاس کی فضا چھاننے اور یہ دیکھنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے کہ دشمن کا کوئی جہاز یا طیارہ تو نہیں آرہا ہے۔ اس کی ابتدا اصل میں دوسری جنگ عظیم میں ہوئی جب جرمن بم بار طیاروں نے برطانیہ پر حملے کیے۔ برطانیہ والوں کو فکر ہوئی کہ کوئی ایسی مشین ایجاد کی جائے جو دشمن کا طیّارہ آنے سے پہلے ہی اس کی اطلاع دے دے۔ اس طرح ریڈار

کی ایجاد ہوئی، جس میں ریڈیائی لہریں چھوڑنے اور انھیں واپس موصول کرنے کا انتظام ہوتا ہے۔ یہ لہریں چاروں طرف سے پھیل جاتی ہیں اور اگر راستے میں کوئی طیّارہ یا کوئی دوسری رکاوٹ ملتی ہے تو اُس سے ٹکرا کر واپس آتی ہیں اور ٹیلے وژن جیسے ایک پردے پر اُس کی تصویر پیش کر دیتی ہیں۔ اگر طیارہ دشمن کا ہے تو اسے مار گرا لیا جاتا ہے۔

س: کیا دانتوں کو واقعی کیڑا لگ جاتا ہے۔ اس کیڑے کا نام اور اس کا علاج بتائیے۔

ذوالفقار علی مصوّر، مٹھن کوٹ

ج: دانتوں میں اس طرح کا کیڑا نہیں لگتا جیسے کیڑے مکوڑے آپ عام طور سے چلتے پھرتے دیکھتے ہیں۔ گندگی کے علاوہ مٹھاس دانتوں کی بہت بڑی دشمن ہے۔ جب ہم رات کو میٹھا کھا کر منھ صاف کیے بغیر سو جاتے ہیں تو مٹھاس دانتوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ پہلے دانتوں کا قدرتی پالش ضائع ہوتا ہے، پھر دانت اندر سے سیاہ ہو جاتا ہے جسے کیڑا لگنا کہتے ہیں۔ اس طرح دانت کافی دُور تک کھایا جاتا ہے اور اندر کی رگ کُھل جاتی ہے تو دانت میں سخت درد محسوس ہوتا ہے۔ اس کا صرف یہی علاج ہے کہ دانت کو بھروا کر محفوظ کر لیا جائے اور اگر وہ زیادہ کھایا گیا ہے تو اُسے نکلوا دیا جائے۔ سب سے اچھی ترکیب حفاظت ہے کہ کھانے کے بعد دانت اچھی طرح صاف کر لیے جائیں۔ اُن میں غذا کے ذرّات سڑنے کے لیے نہ چھوڑے جائیں۔ مٹھائی کھا کر یا دودھ پی کر بھی دانت صاف کر لینے چاہییں۔ رات کو سوتے وقت تو دانت ضرور صاف کرنے چاہییں۔

س: ایٹمی ری ایکٹر کس طرح کام کرتا ہے۔ کیا اس سے بجلی بھی پیدا کی جا سکتی ہے؟

ایم۔ ایس۔ ناز، فیصل آباد

ج: ایٹمی ری ایکٹر اُس مشین کو کہتے ہیں جو پُرامن مقاصد کے لیے ایٹمی توانائی استعمال کرتی ہے۔ اس میں ایٹم کو توڑ کر ایٹمی توانائی پیدا ہوتی ہے اور اس عمل میں جو زبردست حرارت پیدا ہوتی ہے اُس کی مدد سے پانی کو کھولایا جاتا ہے اور بھاپ سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔

تمام طلباء و طالبات کی دلپسند

نوٹ بکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلیٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررہ داموں پر دستیاب ہیں۔

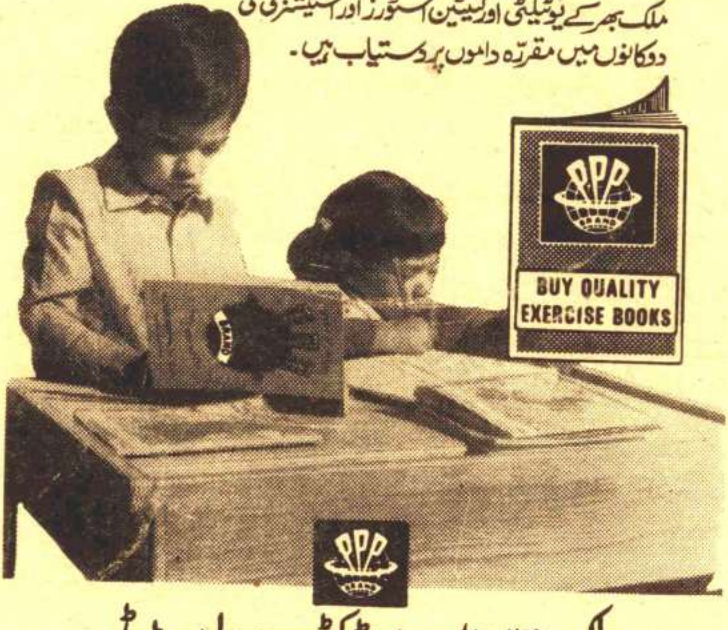

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ
پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸ - کراچی ۳

786/PPP-16/84

نونہال مصور

کوثر فاطمہ، کراچی

محمد ظفر، کراچی

محمد سلیم الدین خرم، کراچی

ظہیر حسن، لاہور

عبد الرحیم صابر، جیوانی

اخبارِ نونہال

آتش دان اور معمار

اٹلی کے سٹی ہال میں ایک عجیب و غریب آتش دان ہے۔ اس کو معمار نے اس مہارت سے تعمیر کیا ہے کہ ہر شام ٹھیک چار بجے اُس کا جو سایہ دیوار پر بنتا ہے وہ حیرت انگیز طور پر معمار کے ہیولے (تصویر) سے ملتا جلتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ معمار بھی ٹھیک شام چار بجے اٹلی ہی میں پیدا ہوا تھا۔

مرسلہ: محمد عامر خان، شاہ پور چاکر

عجیب انداز سے لڑائی

جزائر گیلی پیگوس (ایکویڈور) میں میرین اگاناس نامی درندوں کی حیرت انگیز نسل پائی جاتی ہے۔ ان جانوروں کے لڑنے کا انداز بے حد حیرت انگیز ہے۔ یہ ایک دوسرے کے ماتھے سے ماتھا لگا کر مقابل کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی ان کے لڑنے کا طریقہ ہے۔

مرسلہ: محمد ساجد، ملک وال

ربڑ کا اخبار

۱۸۵۰ء میں ایک فرانسیسی اخبار ربڑ پر چھپتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس اخبار کو غسل

کرتے وقت نہانے کے ٹب میں بھی بیٹھ کر پڑھا جا سکے۔ یہ اخبار پیرس سے کئی سال تک چھپتا رہا تھا۔ مرسلہ، سیدہ عندلیب فاروق شاہ، رحیم یار خاں

ایک منٹ میں ایک کہانی

کہانیاں لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور پھر ناول لکھنا تو اور بھی مشکل کام ہے، لیکن دنیا میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو دنیا کے تمام ناول نگاروں کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے۔ امریکا کے شہر مین ہٹن میں ڈین ہرے نامی شخص بازار میں ایک فولڈنگ کرسی رکھے گود میں ایک ٹائپ رائٹر رکھے بیٹھا نظر آتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ۶۰ سیکنڈ کا ناول نگار کہتا ہے اور جو شخص اس کو صرف پانچ ڈالر ادا کر دے اس سے چند سوال پوچھتا ہے، پھر ایک منٹ میں ایک صفحے کی خوب صورت کہانی لکھ دیتا ہے۔

مرسلہ، سید محمد رضا شاہ، رحیم یار خاں

گونگے اور بہرے افراد کے لیے ٹیلے فون

وفاقی جمہوریہ جرمنی نے گونگے اور بہرے افراد کے لیے ایک ایسا ٹیلے فون بنایا ہے جو کوئی بھی پیغام ٹیلے پرنٹر کی طرح کام کر کے ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے والی ڈیسک تک منتقل کر دیتا ہے اور اس طرح معذور افراد کو جلد مدد میسر آجاتی ہے۔ مرسلہ: محمد اکرم قریشی، کراچی

تنے کے درمیان سڑکیں

ترکی کے شہر سمرنا میں ایک ایسا درخت ہے جس کا تنا قدرتی طور پر اس طرح تین حصوں میں بٹا ہوا ہے کہ تین دروازے سے بن گئے ہیں اور تینوں دروازوں میں سے ایک ایک سڑک گزرتی ہے۔ سمرنا آنے والے بہت سے سیاح اس حیرت انگیز درخت کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں اور اس کی تصویریں اُتار کر ساتھ لے جاتے ہیں۔

مرسلہ: مہر النساء مسکین، حیدرآباد

ہمدرد گھُٹّی

بچّوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا

چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھُٹّی نومولود بچّوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی خوش ذائقہ ہمدرد گھُٹّی بچّوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

خوش ذائقہ
ہمدرد گھُٹّی

ہمدرد

میلے میلے نوٹ

مسعود احمد برکاتی

آج کل رُپے ہاتھ میں لینے کا مطلب ہے ہاتھوں کو گندہ کرنا، کیوں کہ بہت ہی میلے میلے، پھٹے پرانے نوٹ چل رہے ہیں۔ شروع شروع میں تو صرف صاف اور ثابت نوٹ ہی چلتے تھے، لیکن آہستہ آہستہ صاف نوٹ کم ہونے گئے، پھر بھی لوگ میلے میلے نوٹ لینا پسند نہیں کرتے تھے، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے صاف ستھرے نوٹوں کی تعداد کم اور گندے نوٹوں کی تعداد بڑھنی شروع ہوئی۔ لوگوں نے مجبوراً گندے نوٹ قبول کرنے شروع کر دیے۔ اس طرح میلے نوٹ اور زیادہ میلے ہوتے گئے، پھٹتے گئے اور لوگ ان کو بھی قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آج کل تو یہ حال ہے کہ واقعی ان نوٹوں کو ہاتھ میں لینے کو دل نہیں چاہتا۔ اس قدر خراب خستہ نوٹ دیکھ کر ایک بار تو جی چاہتا ہے کہ چاہے ہمیں رُپیہ نہ ملے، مگر ہم کو یہ نوٹ ہاتھ میں نہ لینے پڑیں، لیکن صاحب، کیسے نہ لیں۔ نہ لیں تو کیا کریں۔ کاروبار کیسے چلے، چیزیں کیسے خریدیں اور کیسے بیچیں۔ کھائیں کیا، پہنیں کیا، زندگی کی گاڑی کیسے آگے بڑھے۔ پیسہ تو چاہیے۔ یہ نوٹ ہی سکہ رائج الوقت ہیں۔ سکہ رائج الوقت کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے زندگی کے سارے کام انجام پاتے ہیں، لہٰذا کراہیت آئے یا کچھ ہو، ان نوٹوں کو گلے لگانا نہیں تو کم سے کم

ہاتھ لگانا تو پڑتا ہی ہے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر مجھے ایک خیال آیا۔ وہ یہ کہ جس طرح ہم پہلے میلے نوٹ لیتے ہوئے تامل کرتے تھے اسی طرح بعض اور بھی چیزیں تھیں جن کو ہم قبول نہیں کرتے تھے۔ بھلا بتائیے وہ کیا چیزیں تھیں۔ چلیے، میں ہی بتا دیتا ہوں، وہ تھیں بُرائیاں، بُری باتیں، غیر اخلاقی حرکتیں۔ شروع شروع میں ہم جب کسی بُرائی کو دیکھتے یا سُنتے تو کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے اور چاہتے تھے اس کا ذکر بھی ہمارے سامنے نہ ہو، لیکن دھیرے دھیرے ہم اس کے عادی ہوتے گئے۔ بُری باتیں سُن کر ہمیں دکھ کم ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برائیاں کم ہونے کے بجائے بڑھنے لگیں۔ بڑھتی گئیں، بڑھتی گئیں اور ایک دن ایسا آیا کہ ہمیں کوئی بُرائی، بُرائی نہیں لگی، بلکہ ہم میں سے بہت سوں کو تو بُرائی کرنے، بُرائی سننے، بُرائی دیکھنے میں مزہ آنے لگا۔ گویا ہم بُرائی کو میلے نوٹوں کی طرح قبول کرنے لگے۔ آج ہمارا یہی حال ہے۔ ہمیں پہلے صاف ستھرے نوٹ اچھے لگتے تھے، اسی طرح نیکی، ایمان داری، سچائی، انصاف، سادگی اور کفایت شعاری پسند آتی تھی، لیکن آج ہمیں نہ میلے نوٹ بُرے لگتے ہیں اور نہ بدی اور بد اخلاقی پر ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔

آج بُرائیاں بھی میلے میلے نوٹوں کی طرح سکہ رائج الوقت بن گئی ہیں۔ سوچیے یہ کیا ہو رہا ہے، کیوں ہو رہا ہے اور ان میلے نوٹوں سے اپنا دامن کس طرح بچایا جا سکتا ہے۔ جھوٹ، دھوکے، ناانصافی، لالچ، رشوت، کام چوری اور چوری کو کیسے دُور کیا جا سکتا ہے؟ اس کی صرف ایک صورت ہے کہ نہ ہم کھوٹا سکہ چلائیں اور نہ قبول کریں۔ نہ اخلاقی کمزوری میں خود مبتلا ہوں، نہ دوسروں کی اخلاقی کمزوری کو قبول کریں۔ اس طرح ایسا صاف ستھرا ماحول پیدا ہوگا کہ کسی کو کھوٹے سکے چلانے کی ہمت نہ ہوگی۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مُسکراتے رہو

● ننھا جمال دوڑتا ہوا اپنی ماں کے پاس پہنچا اور پوچھنے لگا، "امی، کیا آپ سرکس میں کام کر چکی ہیں؟"

ماں نے حیران ہو کر کہا، "نہیں بیٹا، مگر تم نے یہ سوال کیوں پوچھا؟"

بچّے نے جواب دیا، "برڈسن کہہ رہی تھی کہ آپ ڈیڈی کو انگلیوں پر نچاتی ہیں۔"

مرسلہ: شاہد علی، کراچی

● ماں: "تم بالکل نکمّے ہو اپنے باپ سے ہی کچھ سیکھو۔"

بیٹا: "انھوں نے کون سا کارنامہ انجام دیا ہے؟"

ماں: "دیکھتے نہیں، اچھے چال چلن کی وجہ سے جیل کے افسروں نے ان کی باقی ماندہ سزا معاف کر دی ہے۔"

مرسلہ: پرکاش کمار کاچھیلا، شہداد کوٹ

● "تمھارے دروازے کے باہر کئی روز سے ایک پٹھان کو بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں، کیا تم نے کوئی چوکی دار رکھ لیا ہے؟"

"چاہو تو چوکی دار کہہ لو، ویسے وہ فرنیچر والا ہے اور مجھ سے فرنیچر کی قیمت وصول کرنے کے لیے بیٹھا ہوا ہے۔"

"اُس کی ادائیگی کیوں نہیں کر دیتے؟"

"اُس نے دھمکی دی ہے کہ جب تک میں ادائیگی نہیں کروں گا وہ میرے دوسرے قرض خواہوں کو دروازے کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دے گا۔"

● "مجھ پر چوہے کی آواز کا راز اب ظاہر ہو گیا ہے۔" خاتون نے پسینے میں نہائے ہوئے کار مکینک سے کہا، جو خاتون کی شکایت پر پچھلے تین گھنٹوں سے کار کے انجن میں چوہا تلاش کر رہا تھا۔

"دراصل چوں چوں کی آواز میرے جوتوں سے نکل

رہی ہے۔"

● تین دوست اپنے ایک بزرگ کے مزار کی زیارت کو گئے۔ کچھ دیر تک تینوں نے فاتحہ پڑھی پھر ایک دوست نے کہا کہ ہمیں بزرگ کی خدمت میں کچھ نذر پیش کرنی چاہیے، اور یہ کہہ کر اس نے جیب سے پانچ رُپے کا نوٹ نکالا اور مزار کی پائنتی رکھ دیا۔

"درست کہتے ہو۔" دوسرے دوست نے کہا اور اس نے بھی پانچ رُپے کا نوٹ رکھ دیا۔ تیسرا دوست بولا، "بالکل ٹھیک کہتے ہو۔" اور اس نے پندرہ رُپے کا چیک لکھا۔ چیک کو مزار کی پائنتی پر رکھا اور وہاں رکھے ہوئے پانچ پانچ کے دونوں نوٹ اُٹھا کر جیب میں رکھ لیے۔

● بس اسٹاپ پر بہت بھیڑ تھی۔ بس آئی تو وہ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ کنڈکٹر نے دروازہ کھولا اور چیخ کر بولا، "صرف ایک آدمی اندر آسکتا ہے، صرف ایک آدمی۔" یہ سُن کر ایک پولیس والا جھٹ بس میں سوار ہو گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی ایک مسکین سے بڑے میاں بھی چڑھ گئے۔ کنڈکٹر جھڑک کر بولا، "آپ نے سُنا نہیں، میں نے کہا ہے کہ صرف ایک آدمی اندر آسکتا ہے۔"

بڑے میاں معصومیت سے بولے، "وہ تو پولیس والا ہے۔ آدمی تو میں ہوں۔"

مرسلہ: ارشد علی، کراچی

● ہاشم: میری آنکھ میں درد ہو رہا ہے۔

جمیل: ایک مرتبہ میرے دانت میں درد ہوا تھا تو میں نے دانت نکلوا دیا تھا۔

● میاں بیوی میں لڑائی تھی۔ بول چال بند تھی۔ میاں کو صبح کام پر جانا تھا۔ اس نے کاغذ پر لکھا، "بیگم، صبح آٹھ بجے اُٹھا دینا۔" یہ لکھ کر بیوی کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ صبح جب اُٹھا تو نو بجے تھے غصّے سے بیگم کی طرف دیکھا۔ بیگم نے میز کی طرف اشارہ کیا۔ میاں نے میز پر پڑا کاغذ اُٹھایا۔ لکھا تھا: "آٹھ بج گئے ہیں، اُٹھ جائیے۔"

مرسلہ: محمد عترت رضا کاظمی، لاہور

● بچہ: دادی جان، آپ عینک کیوں لگاتی ہیں؟

دادی: بیٹا، اس سے ہر چیز بڑی نظر آتی ہے۔

بچہ: تو مجھے حلوہ دیتے وقت آپ عینک اُتار لیا کریں۔

مرسلہ: آغا محمد سلیمان، کراچی

● باپ: بیٹے، تم نے یہ آئینہ کیوں توڑ دیا؟

بیٹا: ابا جان! جب بھی میں روتا ہوں، یہ آئینہ میری نقل اُتارتا تھا۔

مرسلہ: سہیل انور، کراچی

● گلاس بنانے والی فیکٹری نے ایک دن یہ اشتہار دیا کہ ہمارے یہاں خوب صورت اور مضبوط گلاس بنتے ہیں۔ آپ ہمارے گلاس کو ۲۱ فیٹ کی بلندی سے نیچے گرائیے۔ بیس فیٹ تک کی ضمانت ہے گلاس نہیں ٹوٹے گا۔

مرسلہ: عدنان عالم، کراچی

● مدثر: شاہد تم کہاں رہتے ہو؟
شاہد: ڈاک خانے کے سامنے۔
مدثر: ڈاک خانہ کہاں ہے؟
شاہد: میرے گھر کے سامنے
مدثر: اور یہ دونوں کہاں ہیں؟
شاہد: آمنے سامنے۔

مرسلہ: خواجہ محمد بابر شفیق شیخ، بھلوال

● نانی اماں: منّے، جب کھانسی آیا کرے تو منھ کے آگے ہاتھ رکھ لیا کرو۔
منّا: آپ فکر نہ کریں۔ میرے دانت آپ کی طرح نقلی نہیں ہیں۔

مرسلہ: فہیم احمد، اورنگی ٹاؤن

● "مکھی اور ہاتھی میں کیا فرق ہے؟" استاد نے پوچھا۔
"مکھی اُڑ سکتی ہے، ہاتھی اُڑ نہیں سکتا" ایک طالب علم نے جواب دیا۔
"مکھی چھوٹی ہوتی ہے اور ہاتھی بڑا" دوسرے نے بڑے جوش سے جواب دیا۔
"مکھی کی سونڈ نہیں ہوتی" تیسرے نے جواب دیا۔
"سر! میں بتاؤں؟" اگلی نشست سے ایک بچے نے اُٹھ کر کہا، "مکھی ہاتھی پر بیٹھ سکتی ہے جب کہ ہاتھی مکھی پر نہیں بیٹھ سکتا۔"

مرسلہ، کوثر نصیب خان ناصر، کراچی

● ایک گھر میں چور گھس آیا اور سب کچھ چرا کر لے جانے لگا تو پیچھے سے ایک بچّے نے آواز دی، "میرا بستہ بھی لیتے جانا ورنہ ابّو کو اُٹھا دوں گا۔"

مرسلہ: پرنس نثار احمد خاں، کراچی

● چھاتہ بردار فوجیوں کو پیراشوٹ کے ذریعہ سے ہوائی جہاز سے چھلانگ لگانے کی مشق کرائی جارہی تھی۔ انسٹرکٹر نے تمام فوجیوں سے مخاطب ہو کر کہا:
"جب تم پیراشوٹ سے چھلانگ لگاؤ تو ایک سے لے کر دس تک گنو اور پھر فوراً پیراشوٹ کا بٹن دبا دو۔"
ایک فوجی نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا:
"ک ک ک ک کتنے گ گ گ گ گنتے ہیں؟"
انسٹرکٹر نے جواب دیا، "تم صرف دو تک گننا۔"

مرسلہ: محمد اسحاق انجم، ڈگری

● گاہک: اس میں تو تارپین کے تیل کا مزہ آرہا ہے۔ یہ تمھارے ہاں کی چائے ہے یا کافی؟
ہوٹل کا بیرا: اگر اس کا ذائقہ تارپین کے تیل جیسا ہے تو پھر یہ یقیناً چائے ہے، کیوں کہ ہماری کافی کا ذائقہ مٹّی کے تیل جیسا ہے۔

مرسلہ: رومانہ میمن، کراچی

صحت مند نونہال

!۰!۰!

حمید اللہ، کراچی

محمد جاوید عبدالغفور، کراچی

ملک اصغر عارف، پیر محل

محمد افضال شریف، کراچی

محمد انوار شریف، کراچی

محمد اقبال بھٹہ، جام پور

عدنان اسلم مینائی، کراچی

حیدر علی، کراچی

آصف اقبال، ٹنڈو محمد خان

شہزاد نیازی، سکھر

محمد صادق قریشی

ثمینہ محمد علی شاہ، حیدر آباد

سارہ زبیری، کراچی

ربیحہ زبیری، کراچی

عبدالغنی، پرانا سکھر

سراج الدین ظفر، کراچی

ماسٹر امیر احمد، کراچی

کاشف انور، کراچی

سید عدنان، کراچی

شیخ محمد، کراچی

م الحسن نیازی، حیدر آباد

عبدالفرید چندریگر، حیدرآباد

ریحان افضل، حیدرآباد

منور رضا لودھی، سکھر

محمد راشد قریشی، کراچی

خرم صفی، کراچی

ضرار خان، لانڈھی

طارق جعفر، کراچی

محمد عادل خان، بھلوال

سنی سلیم، ہری پور

پھوڑے پھنسی اور
خارش کا ایک علاج
مگر فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے
خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جلدی
بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔
SAFI
صافی
BLOOD PURIFIER
جڑی بوٹیوں
سے تیار شدہ
صافی
ہمدرد
سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

بوجھو تو جانیں

سبزی خور جانور —— بعض جانور گھاس، پتے اور پودے کھا کر گزارا کرتے ہیں۔ انھیں ہم سبزی خور جانور کہہ سکتے ہیں۔ کیا آپ ان جانوروں کے نام بتا سکتے ہیں اور یہ بھی کہ ان میں کون سے جانور سبزی خور ہیں؟

اس شمارے کے مشکل الفاظ

نونہالوں کی خواہش پر ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا جا رہا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔
یہ اشارے اس طرح لکھے ہوں گے، ع: عربی، ف: فارسی، ہ: ہندی، س: سنسکرت، ت: ترکی، انگ: انگریزی، ا: اردو۔

اعتقاد : (ع) اِعْ تِ قَادْ : عقیدہ، یقین، دل میں مضبوطی کے ساتھ کوئی بات قائم ہونا۔

تقلید : (ع) تَقْ لِیْدْ : پیروی، نقل، کسی کے قدم بہ قدم چلنا۔

تناول : (ع) تَ نا وُلْ : لینا، پکڑنا، کھانا کھانا۔

طفیل : (ع) طُ فیل : وسیلہ، ذریعہ۔

دستور : (ف) دَسْ تُو ر : قاعدہ، قانون، رسم و رواج۔

تلقین : (ع) تَلْ قِیْنْ : نصیحت، سکھانا۔

گنجان : (ف) گُنْ جا ن : گھنا، پاس پاس، متصل۔

تردید : (ع) تَرْ دِ ی د : کاٹنا، منسوخ کرنا، رد کرنا۔

متروک : (ع) مَتْ رُوْک : چھوڑا ہوا، جس کا رواج نہ رہا ہو۔

راہ نمائی : (ف) رَاہْ نُما اِئی : رہبری، راستہ دکھانا، لیڈری۔

تنقید : (ع) تَنْ قِیْدْ : کھوٹا کھرا پرکھنا، جانچ۔

خوددار : (ف) خُدْ دَار : اپنی عزت کرنے والا۔

اعتراف : (ع) اِعْ تِ رَاف : اقرار کرنا، مان لینا، تسلیم کرنا۔

ثقافت : (ف) ثَ قَا فَتْ : تہذیب، تمدن، کلچر

مرہونِ منت : (ع) مَرْ ہُونے مِنْ نَتْ : ممنون، احسان مند، شکر گزار۔

تقویٰ : (ع) تَقْ وَ ا : بدیوں سے بچنا، خدا کا خوف، پرہیزگاری۔

مبہوت : (ع) مَبْ ہُوتْ : حیران، ہکا بکا۔

مرکوز : (ع) مَرْ کُو زْ : گڑا ہوا، دل نشین۔

نقصان رساں : (ف) نُقْ صَانْ رَسَاں : نقصان پہنچانے والا۔

کنڈلی : (ہ) کُنْڈْ لی : چھوٹا سا حلقہ۔

قطر : (ع) قُطْرْ : وہ خطِ مستقیم جو دائرے کے مرکز پر سے گزر کر اس کے دو برابر حصے کر دے۔

زرّیں : (ف) زَ رْ رِیں : سنہرا، وہ چیز جس پر طلائی کام کیا ہوا ہو۔

استفادہ : (ع) اِسْ تِ فَادَہ : فائدہ حاصل کرنا، نفع اٹھانا۔

زہرآلود : (ف) زَہْ رْ آلُو دْ : زہریلا، زہر کا بجھا ہوا۔

خلاصہ : (ع) خُلَا صَہْ : مختصر، اختصار، چنا ہوا۔

زائل : (ع) زا اِلْ : دور ہونے والا، مٹنے والا۔

خندہ : (ف) خَنْ دَ ہْ : ہنسی، قہقہہ۔

آویزاں : (ف) آوے زَاں : لٹکا ہوا، معلّق۔

درخشاں : (ف) دُرَخْ شَاں : چمکتا ہوا، روشن۔

ابدی : (ع) اَبَ دِ یْ : دائمی، جاودانی، ہمیشہ برقرار رہنے والا۔

معلومات عامہ ۲۳۴

اس بار بھی سوالات کی تعداد بارہ ہے۔ دس یا زیادہ صحیح جوابات والوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ تصویریں نہ ہوئیں تو ان کے نام اور ۹ صحیح جوابات والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۱۵۔اکتوبر ۱۹۸۵ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے کاغذ پر نیچے اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے۔ تصویر کے نیچے بھی اپنا نام اور شہر یا گاؤں کا نام صاف صاف لکھیے۔ نام پتا جوابات کے پیچھے نہیں نیچے لکھیے۔ پتا لفافے پر بھی نہ لکھیے۔

۱۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر کون سی آسمانی کتاب نازل ہوئی تھی؟

۲۔ اُن صاحب کا نام بتائیے جو پاکستان کے گورنر جنرل بھی رہے اور صدر بھی؟

۳۔ ۱۹۸۳ء کی ایک تاریخ ایسی تھی جس کو ایک مشہور ادیب ڈاکٹر جمیل جالبی نے کراچی یونی ورسٹی کی وائس چانسلری کا چارج لیا اور اسی تاریخ کو ایک مشہور ادیب سلیم احمد کا انتقال ہوا۔ تاریخ بتائیے۔

۴۔ نواب صدیق علی خان صاحب تحریکِ پاکستان کے مشہور رہنما تھے۔ انھوں نے "بے تیغ سپاہی" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ بتائیے نواب صاحب کا انتقال کس تاریخ کو ہوا تھا؟

۵۔ بتائیے "اومیگا" گھڑیاں کس ملک میں بنتی ہیں؟

۶۔ کیا ۱۹۴۰ء کے اولمپک کھیل نہیں ہوئے تھے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

۷۔ کیا یہ صحیح ہے کہ ترکی "اقوام متحدہ" کا بانی رُکن ہے؟

۸۔ ان دو مشہور ادیبوں کے اصلی نام بتائیے۔ (۱) فراق گورکھپوری (۲) مشفق خواجہ

۹۔ دنیا کا سب سے بڑا ایئرپورٹ کس ملک میں ہے؟

۱۰۔ موجودہ دور میں دنیا کی سب سے پہلی خاتون وزیر اعظم کون صاحبہ تھیں؟

۱۱۔ ۱۹۷۰ء میں پاکستان کے ایک ایئرپورٹ پر پولینڈ کے نائب وزیر خارجہ ہلاک ہوئے تھے۔ ایئرپورٹ کا نام بتائیے؟

۱۲۔ سب سے بڑا دن کس تاریخ کو ہوتا ہے؟

قرآن و سُنّت کے حوالے سے دین و دُنیا کی دانش کا ایک مُفید مجموعہ

نورستان

حکیم محمد سعید کی ۴۲ انشری دینی تقریروں کا مجموعہ اس یقین کا نتیجہ ہے
کہ ہمارے تمام مسائل کا حل قرآنِ حکیم اور سُنّتِ رسولِ کریمؐ میں موجود ہے۔

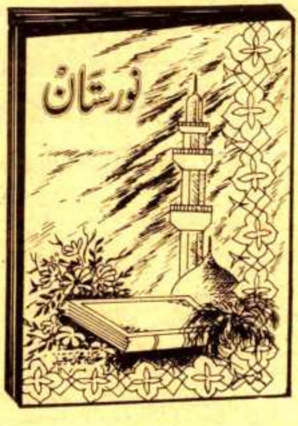

حکیم محمد سعید نے اپنی تقریروں میں اپنے دور، اپنے معاشرے اور اپنے ماحول کے مسائل کو قرآن و سنّت کے حوالے سے سادہ اور دل نشین انداز میں پیش کیا ہے۔

اس میں دانشِ دین و دنیا کے بیش تر پہلوؤں کا تقاضائے عصری کی روشنی میں احاطہ کیا گیا ہے۔ دینی موضوعات پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ شعور و آگہی میں بیداری پیدا ہوتی ہے اور معاشرت و اخلاق کے نکات اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ وہ ضمیر کو جھنجھوڑ کر صراطِ مستقیم پر چلنے کی رغبت پیدا کرتے ہیں۔

دانشِ دین و دنیا کا نچوڑ اور ہمارے دور کے
سوالوں کا جواب ہے۔ تمام تقاریر مختصر اور پُر مغز، فکر انگیز اور پُر اثر ہیں۔

ایک خوب صورت کتاب جو موضوع اور طباعت دونوں لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر گھر میں ہو
اور احباب و اقربا کو تحفہ میں دی جائے۔

صفحات: ۵۴۴ قیمت اعلا ایڈیشن: ۱۵۰ رُپے ۔ رعایتی قیمت عام ایڈیشن ۵۰ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس پاکستان ہمدرد سنٹر، ہمدرد ڈاک خانہ ناظم آباد کراچی ۱۸ء

نونہال ادیب

بعض نونہال دوسرے شاعروں کی نظم نقل کر کے بھیج دیتے ہیں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ ہم ایک ترکیب بتاتے ہیں۔ جو نظم آپ کو پسند آئے، اس کو نقل کر کے ہمیں بھیج دیجیے، لیکن جس شاعر کی نظم ہے اس کا نام اور جس رسالے یا کتاب سے نقل کی ہے اس کا نام بھی لکھ دیجیے۔ ہم آپ کا نام بھی لفظ مرسلہ کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اس طرح آپ کی بدنامی بھی نہیں ہو گی، لیکن زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ آپ خود لکھنے کی کوشش کریں۔

حمد

مرسلہ: شاہین تبسم خان

تیرا ہی آسرا ہے، تیرا ہی ہے سہارا
تُو خالقِ جہاں ہے، مشکل کشا ہمارا

رحم و کرم کی تیری بارش رہے گی ہم پر
تیری ہی رحمتوں نے ہم سب کو ہے سنوارا

روشن کیا ہے سورج، چمکائے چاند تارے
رنگیں کیا گلوں کو، باغوں کو ہے نکھارا

داتا ہے تو ہمارا، دینا ہے کام تیرا
امداد کی ہے تُو نے جب بھی تجھے پکارا

پیدا ہمیں کیا ہے درجہ بڑا دیا ہے
طوفان میں بھی تُو نے پیدا کیا کنارا

نعت

مرسلہ: حافظ محمد ظہور الحق، اسلام آباد

جب تک جہاں میں شمس و قمر کا نظام ہو
محبوبِ کبریا پر درود و سلام ہو

جس دل میں بس گئی ہو محبت رسولؐ کی
کیسے نہ اس پہ آتشِ دوزخ حرام ہو

یارب وہ دن دکھا کہ تیری بارگاہ سے
ہو کر درِ رسولؐ پہ حاضر غلام ہو

یارب ظہور کی یہ دعا ہے کہ وقتِ نزع
لب پہ احد کا اور محمدؐ کا نام ہو

حضور اکرمؐ کے اخلاقِ حسنہ

ابنِ شہباز خان، کراچی

سرورِ کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ وہ اخلاق ہیں کہ جن پر عمل کر کے ہم بلاشک و شبہ جنّت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ حضورؐ کے اخلاق کے بارے میں خود قرآنِ پاک نے بھی فرمایا:

"بے شک آپؐ حُسنِ اخلاق کے بڑے مرتبے پر فائز ہیں۔"

روایت ہے کہ کسی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا، "حضور انورؐ کے اخلاق کیسے تھے؟" آپ نے فرمایا، "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حضورؐ کے اخلاق ہیں۔"

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر ہم نے قرآنِ حکیم پر عمل کیا تو گویا حضورؐ پُر نور کے اخلاقِ حسنہ پر عمل کیا۔

حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ کے بہت سے واقعات ہیں، جن میں ہمارے لیے سبق ہے۔ اگر ہم ان واقعات سے سبق حاصل کرتے ہوئے ان پر عمل کریں تو ہم کام یاب ہو سکتے ہیں۔

ایک دفعہ وحشی نامی ایک شخص نے رحمۃ العالمین کے محترم چچا حضرت حمزہ کو شہید کر کے ان کے دل اور کان چبا ڈالے۔ بعد میں وحشی رسول اللہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، "یا رسول اللہ! میری غلطی کو معاف فرما دیں۔ اب میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔"

یہ سُن کر سرورِ کائنات نے ارشاد فرمایا، "جا، میں نے تجھے معاف کیا، لیکن تُو میرے سامنے مت آیا کر، کیوں کہ جب تُو میرے سامنے آتا ہے تو مجھے اپنے چچا یاد آنے لگتے ہیں۔"

اس واقعے سے ثابت ہوا کہ حضور انورؐ کو خدا تعالیٰ نے واقعی کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ کیوں کہ دنیا میں ایسا کون سا شخص ہوگا جو اپنے پیارے چچا جان کے قاتل کو معاف کر دے، لیکن یہ تو حضورؐ تھے، رحمۃ للعالمین!

ہمیں چاہیے کہ ہم حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلیں اور آپ کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کریں:

سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

محرم الحرام

سید سالار حسین نقوی، کراچی

محرم الحرام کا مہینہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں حق و باطل کی جنگ ہوئی اور آخر حق کا بول بالا ہوا۔ یزیدیت کا خاتمہ ہوا۔ یزید کے لشکر کے مقابلے میں حسینی لشکر کی تعداد آٹے میں نمک جیسی تھی۔ پھر بھی لشکرِ حسینی نے آخر دم تک ایسی بہادری کا

مظاہرہ کیا کہ مسلم تو مسلم غیر مسلم تک اُٹھ اُٹھ کر اُٹھے۔ تھامس کارلائل کہتے ہیں کہ "واقعۂ کربلا میں سب سے اہم سبق یہ تھا کہ حسینؓ کے ساتھیوں کو خدا پر کامل یقین تھا۔ اسی لیے وہ موت پر ٹوٹ پڑے۔"

خود امام حسینؓ نے فرمایا، "ہم اپنے ہاتھ ظالم کے ہاتھ میں نہیں دیں گے اور نہ ظالم کی بندگی تسلیم کریں گے۔ خدا، رسولؐ، مومنین اور غیرت مند لوگ ظالم کی اطاعت گزار زندگی کے مقابلے میں شہادت کو پسند کرتے ہیں۔ یہ ذلّت و رسوائی ہم سے دور رہے۔ میں اپنی تحریک کو جاری رکھوں گا کیوں کہ موت انسان کے لیے موت نہیں اگر اس کی نیت خیر ہو اور وہ جہاد کرتا ہو۔

سانحۂ کربلا میں اہلِ بیت پر جو مظالم ہوئے انھیں سُن کر آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ "دنیا آلِ محمدؐ کی مصیبتوں سے ہِل گئی ہے اور یہاں تک کہ سخت پہاڑ بھی اس غم میں گُھل گئے ہیں۔"

حسینؓ کی زلفوں کو آں حضرتؐ چوما کرتے تھے فرماتے تھے کہ جس نے حسینؓ سے محبّت کی اُس نے مجھ سے محبّت کی اور جس نے حسینؓ سے دشمنی کی اُس نے مجھ سے دشمنی کی۔ حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں۔"

امام حسینؓ کے کارناموں کی داد غیر مسلموں تک نے دی۔ گاندھی جی کہتے ہیں کہ "کربلا کے ہیروؤں کی زندگی کو میں نے بے حد غور سے پڑھا ہے۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر ہندستان کو نجات مِل سکتی ہے تو صرف حُسینی طریقے پر عمل کرنے ہی سے مِل سکتی ہے۔"

امام حسینؓ کی قربانی کی وجہ سے آج تک اسلام زندہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اُس محسن کو نہ بھولیں کہ جس کی وجہ سے آج بھی اسلام کا بولا بالا ساری دنیا میں ہے اور جب تک حیات ہمارا ساتھ دے ہمیں اپنے شہدا کی یاد منانی چاہیے۔

باغ

مرسلہ: اسماء ایاز خان، کراچی

ابّو جی نے باغ لگایا
جس نے دیکھا اُس کو بھایا
رنگ برنگے پھول کِھلے ہیں
اونچے اونچے جھولے ڈلے ہیں
بچّے پانی دیتے ہیں
اُس سے پھول بھی لیتے ہیں
صبح کو جس دم باغ میں جاؤں
ٹھنڈی ہوا سے لطف اُٹھاؤں

صحت اور ماحول

روبینہ فرید، کراچی

کافی عرصہ گزرا کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت

کرتا تھا جس کی صرف ایک ہی بیٹی تھی۔ وہ بہت ہی خوب صورت تھی۔ بادشاہ اپنی بیٹی کو بہت چاہتا تھا لیکن بادشاہ اس کو محل ہی میں رکھتا تھا، باہر نہیں نکلنے دیتا تھا کہ کہیں شہزادی کو کسی کی نظر نہ لگ جائے یا کوئی بانو شہزادی کو اغوا کر کے نہ لے جائے۔ محل کے اندر رکھنے اور باہر نہ نکلنے کی وجہ سے شہزادی کو کھلا ماحول نہیں ملتا تھا جس کی وجہ سے شہزادی اکثر بیمار رہتی تھی۔ شاہی طبیب سب ہی اس کا علاج کر چکے تھے۔

آخر ایک ذہین شخص محل میں آیا اور بادشاہ سے شہزادی کے علاج کی اجازت مانگ کر کہا کہ شہزادی کو کسی ایسے مقام پر بھیجا جائے جہاں کا موسم خوش گوار ہو اور کھلا علاقہ ہو۔ اگر شہزادی صاحبہ تن درست نہ ہوں تو آپ بلا تامل میرا سر قلم کرا دیجیے گا۔

کچھ عرصے ہی میں شہزادی کو وہاں منتقل کر دیا گیا۔ خوش گوار موسم اور کھلی جگہ شہزادی کا دل لگ گیا اور وہ بہت جلد صحت یاب ہو گئی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس ذہین شخص کو انعام واکرام سے نوازا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سُستی کاہلی اور گھٹے ماحول میں زندگی گزارنے سے صحت پر بہت اثر پڑتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تو اس کو استعمال بھی کریں۔

وہ ایک لمحہ

رخسانہ مطلوب، کراچی

دامنِ کوہ کی سیر کے لیے سب اپنی اپنی رائے پیش کر رہے تھے، آخر سب کی متفقہ رائے سے دامنِ کوہ جانے کا فیصلہ ہو گیا اور سب اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ بات دراصل یہ تھی کہ ہم سب اپنی کزن کی شادی میں اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ اُن دنوں میں آٹھویں کی طالبہ تھی اور امتحانات قریب تھے۔ اس لیے ہم صرف دو دن کے لیے وہاں گئے تھے۔ اتوار کی دوپہر ہمیں واپس آنا تھا، لہٰذا اتوار کی صبح ساری خالہ زاد بہنوں اور ہم سب نے کہیں گھومنے کا پروگرام بنایا۔ سارا اسلام آباد ہمارا دیکھا ہوا تھا۔ صرف دامنِ کوہ رہ گیا تھا، لہٰذا وہیں جانے کے لیے سب تیار ہو گئے۔ وہاں ٹیکسیاں ملنی مشکل تھیں۔ خدا خدا کر کے ایک ٹیکسی کی صورت نظر آئی وہ اتنی کھٹارا تھی کہ سبحان اللہ کہنے کو دل چاہ رہا تھا۔ بابا آدم کے زمانے کی ٹیکسی کی ساخت ایسی تھی کہ اس کا پچھلا دروازہ سرے سے کھلتا ہی نہ تھا اور جام تھا، جب کہ دوسرا دروازہ بند ہی نہ ہوتا تھا اور اُسے پکڑ کر بیٹھنا پڑتا تھا۔ تو صاحب اِسی پر اکتفا کرتے ہوئے ہم سب ٹھُس ٹھسا کر بالآخر بیٹھ ہی گئے البتہ میں باقی رہ گئی۔ مجھے بھی اس میں ٹھونس دیا گیا۔ اتفاق سے میں اُس دروازے کے پاس

بیٹھی تھی کہ جو بند نہ ہوتا تھا۔ اسے میں نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ ہم سب باتیں کرتے ہوئے اپنے سفر پر رواں دواں تھے۔ ٹیکسی پہاڑ کی پتلی پتلی سڑکوں سے بل کھاتی گزر رہی تھی۔ ہمارے ایک طرف اونچی اونچی پہاڑیاں تھیں اور دوسری جانب گہرے گہرے کھڈ تھے، جنھیں دیکھتے ہوئے خوف آتا تھا۔ پہلے میں دروازہ نہایت مضبوطی سے پکڑے بیٹھی رہی، لیکن باتوں باتوں میں دھیان نہ رہا اور میری گرفت ہلکی ہوتی گئی۔ اچانک ایک موڑ کاٹتے ہوئے ٹیکسی ایک طرف کو جھکی اور میرے ہاتھ سے دروازہ چھوٹ گیا اور زور سے کھل گیا۔ سب کی چیخیں نکل گئیں اور اس ایک لمحے میں سب نے مجھے پکڑ کر کھینچ لیا۔ میں بری طرح کانپ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر ایک لمحے کی تاخیر ہو جاتی تو .....؟ خیر وہاں تو ہم گھومتے رہے اور کافی سیر کر کے جب ہم واپس ہوئے تو میں اُس دروازے کے پاس بیٹھی جو کھلتا نہ تھا۔

ادب کیا ہے؟

ثریا جبیں، کراچی

ادب اردو زبان کا لفظ ہے اور اس کا مفہوم مختلف النوع ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عربی زبان میں ضیافت اور مہمانی کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ بعد میں ایک اور مفہوم بھی شامل ہو گیا جسے ہم شائستگی کہہ سکتے ہیں۔ حُسنِ سلوک، مہمان داری۔ یہ سب ادب کے معنوں میں داخل ہوئے۔ جو مہمان داری میں شائستہ ہوگا وہ عام زندگی میں بھی شائستہ ہوگا۔ اس سے ادب کے معنی میں شائستگی بھی آ گئی۔ اس میں خوش بیانی بھی شامل ہے۔ اسلام سے قبل خوش بیانی کو اعلا ادب کہا جاتا تھا۔ نرمی اور شائستگی یہ سب چیزیں ادب کا جزو بن گئیں۔

عہدِ اُمیہ میں بصرہ اور کوفہ میں زبان کے سرمایۂ تحریر کو مزید فروغ حاصل ہوا۔ اس زمانے میں قواعد کی کتابیں لکھی گئیں تاکہ زبان میں صحتِ بیان قائم رہے۔ ان کو بھی ادب ہی کہا گیا ہے، لیکن اب انھیں معاونِ ادب کہتے ہیں۔ جدید دور میں ادب کے معنی مخصوص کر دیے گئے ہیں۔ ادب کے لیے ضروری ہے کہ اس میں تخیل اور جذبات ہوں ورنہ ادب کیا نہیں؟ ہر تحریری کارنامہ ادب کہلا سکتا ہے۔

ادب کے متعلق چند مفکرین کی آرا یہ ہیں:۔

میتھیو آرنلڈ :

وہ تمام علم جو کتابوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ادب کہلاتا ہے۔

کارڈینل نیومین:

انسانی افکار و خیالات اور احساسات کا اظہار زبان اور الفاظ کے ذریعے سے ادب کہلاتا ہے۔

نارمن جووک

ادب سے مراد وہ تمام سرمایہ احساسات و

خیالات ہے جو تحریر میں آچکا ہے اور جسے اس طرح ترتیب دیا گیا کہ پڑھنے والے کو مسرت حاصل ہوتی ہے۔

سر والٹر پیٹر

ادب نفسِ انسانی کی تصویر اس انداز سے کھینچتا ہے کہ اس کے کمالاتِ معنوی اور فضائل باطنی کا جمال اس میں پوری طرح کھنچ آئے۔

اگر ہم مذکورین کے خیالات پر غور کریں تو احساس ہوگا کہ ادب کی اس سے بہتر تعریف اور کوئی نہیں ہو سکتی، لیکن ہر مفکر کی رائے اپنی جگہ مسلم ہے۔ والٹر پیٹر کے خیالات کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا اور میں سمجھتی ہوں کہ مندرجہ بالا مفکروں کی ادب کے بارے میں رائے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

نصیحت

مرسلہ: راجا قیصر محمود، گوجر خان

ملے تم کو جو کچھ سنو پیارے بچو
اُسے شکر اللہ کا کر کے کھاؤ

نہ بھوکے رہو اچھی چیزوں کی خاطر
نہ ڈھونڈو کبھی قورما اور پلاؤ

جو مل جائے کھا لو اُسے تم خوشی سے
نہ تم لالچی اپنے دل کو بناؤ

قاری عبدالباسط عبدالصمد

حافظ محمد زبیر فضل، کراچی

عالمِ اسلام کے مشہور مایہ ناز قاری عبدالباسط عبدالصمد مصری جن سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے پچھلے سال کراچی کے دورے پر آئے اور کراچی کے کئی مقامات میں حُسنِ قرأت کا مظاہرہ کیا۔

جب میں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا تھا تو اس وقت میں قاری عبدالباسط کا نام سُنا کرتا تھا۔ کئی بار کیسٹوں میں قاری عبدالباسط کی تلاوت قرآنِ پاک سُنی۔ اکثر لوگوں کو ان کی تعریف کرتے ہوئے پایا۔ وہ جب قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے تو مجھے ان کی قرأت کا انداز بہت اچھا لگتا تھا۔

ایک عرصے سے میری یہ آرزو تھی کہ میں قاری صاحب کی زیارت کروں اور ان کو پڑھتے ہوئے دیکھوں۔ میری یہ آرزو پچھلے دنوں اُس وقت پوری ہو گئی جب قاری عبدالباسط مصر سے پاکستان تشریف لائے اور یہاں پر بہت سے جلسوں میں قرآنِ پاک کی تلاوت کی۔ ان کو دیکھنے کے لیے لوگ دُور دُور سے آئے۔ ہر کوئی یہ کوشش کرتا کہ ان کے قریب جا کر بیٹھے اور ان سے معانقہ کرے۔ جب وہ تلاوت کرتے تو لوگوں پر سکوت طاری ہو جاتا اور جب وہ آیت ختم کرتے تو لوگ نعرہ ہائے تحسین، سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر بلند کرتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید

نازل ہوا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو ایسے مسحور کُن انداز میں تلاوت فرماتے تھے کہ بڑے سے بڑے دشمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ آپ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل عقبہ بن ربیعہ بھی حضورؐ پاک کی تلاوت سُنتا۔ رسول پاکؐ کی تلاوت سے بہت سے کافر مسلمان ہوئے۔ ان میں طفیل بن عمر فردوسی بھی ایمان لائے جو عربی زبان کے مشہور شاعر تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو کافروں کے بچے اور عورتیں جمع ہو کر قرآن پاک کی تلاوت شوق سے سنتیں اور ان کے دل میں قرآن کی محبت جمع ہو جاتی اور وہ بچے دل سے ایمان لے آتے۔

شیخ قاری عبدالباسط صاحب موجودہ دور کے سب سے بڑے قاریوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ قاری صاحب نے افریقہ، یورپ، امریکا کے دورے میں جب حُسن قرأت کا مظاہرہ کیا تو ان کی مسحور کُن اور دلوں کو اثر کرنے والی قرأت سے متاثر ہو کر کئی سو غیر مسلم مسلمان ہوئے۔

قاری عبدالباسط ۱۹۲۷ء میں مصر کے ضلع قنا میں عبدالصمد نامی ایک عام شخص کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یہ ضلع جنوب میں قاہرہ سے سو کلومیٹر دُور ہے اور مصر کے مشہور تاریخی شہر اقصر کے قریب ہے۔ قاری عبدالباسط صاحب نے صرف دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

حفیظ جالندھری

نبی بخش گشکوری، سنانواں

حفیظ جالندھری کا اصل نام محمد حفیظ تھا۔ آپ ۱۹۰۰ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حافظ شمس الدین تھا۔ ابتدائی تعلیم جالندھر میں حاصل کی۔ شاعری سے فطری لگاؤ تھا اس لیے جلد ہی تعلیم حاصل کر کے شاعری کے کوچے میں آ گئے۔ شروع میں مولانا گرامی سے اصلاح لی۔ پہلے جالندھر میں کاروبار کرتے رہے، پھر لاہور آ کر بچوں کے رسالے پھول کے مدیر ہو گئے۔ حفیظ نے گیت، غزلیں اور نظمیں یکساں کامیابی سے لکھی ہیں۔ وہ پاکستان کے قومی ترانے کے خالق بھی ہیں۔

حفیظ کی شاعری ایک رنگارنگ گل دستہ ہے، جس میں بچوں کے لیے خوب صورت گیت، دل کش نظمیں، پُر اثر قومی و ملّی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ آپ کے کلام میں وطن دوستی، خلوص اور جدوجہد کی تلقین ملتی ہے۔

وقت کی پابندی

نام افتخار، کراچی

پابندیِ وقت کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام کو مقررہ وقت پر کیا جائے۔ انسان کی یہ عام کمزوری ہے کہ وہ ماضی کی یاد میں آہیں بھرتا ہے۔ مستقبل کے لیے ہوائی قلعے تعمیر کرتا ہے، لیکن حال کو بالکل فراموش کر دیتا ہے۔ حال آنکہ اُسے چاہیے کہ جو وقت گزر چکا ہے اُس پر افسوس نہ کرے بلکہ جو فرصت اب حاصل ہے اس سے کام لے کر اپنے حال اور مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

اکثر لوگ وقت کی پابندی کا خیال نہیں کرتے۔ وہ نہیں جانتے کہ وقت کتنی قیمتی چیز ہے اور انضباطِ اوقات کی اہمیت کیا ہے۔ وقت وہ گراں مایہ دولت ہے کہ اگر ایک مرتبہ ہاتھ سے نکل جائے تو پھر کسی قیمت پر واپس نہیں لایا جاسکتا۔ ہم محنتِ شاقہ سے رُپیہ کما سکتے ہیں۔ ورزش، دوا اور پرہیز سے کھوئی ہوئی صحت واپس لاسکتے ہیں۔ تعلیم، نیک چلنی اور رفاہِ عامہ کے کاموں سے نیک نامی حاصل کی جاسکتی ہے، لیکن ہم اپنی تمام تر فہم و فراست، اثر و رسوخ اور دولت و ثروت کے باوجود گزرے ہوئے وقت کا ایک لمحہ بھی واپس نہیں لاسکتے۔ مرتے وقت سکندرِ اعظم نے کہا تھا کہ کوئی تمام دولت لے لے اور مجھے جینے کے لیے چند لمحے اور دے دے، لیکن ایسا کون کر سکتا تھا۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو کائنات کا پورا نظام ہمیں وقت کی پابندی کا درس دیتا ہے۔ دن اور رات اپنے وقتِ مقررہ پر آتے اور جاتے ہیں۔ موسم اپنے مقررہ وقت پر بدلتا ہے۔ چاند اپنے مقررہ وقت پر گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ سورج اپنے معین وقت پر طلوع اور غروب ہوتا ہے۔

میرے خیال میں ایک طالبِ علم کے لیے وقت کی پابندی جتنی ضروری ہے شاید کسی اور کے لیے اتنی ضروری نہیں۔ اگر ایک طالبِ علم اپنے مقرر کیے ہوئے وقت پر صبح سویرے اُٹھے، وقت پر اسکول جائے، اسکول کا کام پابندی سے کرے اور اس کے کھانے پینے، سونے، کھیلنے اور پڑھنے کے اوقات مقرر ہوں تو وہ جسمانی طور پر بھی صحت مند ہوگا اور تعلیمی میدان میں بھی ترقی کرے گا۔ اس کے برعکس جو طالبِ علم اپنے سارے کام بغیر کسی پروگرام کے کرتے ہیں دنیا میں کبھی ترقی نہیں کرتے۔

مغربی قومیں صرف اسی وجہ سے شاہراہِ ترقی پر گام زن ہیں کہ ان کے لوگ وقت کے پابند ہیں اور وہ اپنا وقت ضائع کرنا جانتے ہی نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم زندگانی کی قلیل فرصتوں سے فائدہ اٹھائیں اور بے کار نہ رہیں۔ جو فرصت ہمیں حاصل ہے اس سے کام لیتے ہوئے کچھ نہ کچھ کریں۔

جن لوگوں نے وقت کی قدر نہ کی زمانہ ان سے روٹھ گیا۔ دولت اور حکومت ان سے منھ موڑ گئی۔ وہ خس و خاشاک کی طرح بحرِ زندگانی میں بے یار و مددگار بہتے رہے اور پھر اسی حالت میں ختم ہو گئے۔ عقل مند انسان وہی ہے جو وقت کی قدر و قیمت کو سمجھے اور کوئی لمحہ بے کار نہ گزارے۔ انسان بے کار رہنے کے لیے نہیں بنایا گیا بلکہ فطرت بھی اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی کام کرتا رہے۔

گیس پیپر

شبانہ مجید، لطیف آباد

"پلیز گیس پیپر بنا دیں نا!"

یہ ہماری چھوٹی بہن تھیں، جن کے امتحانات نزدیک تھے، لیکن تیاری کے باوجود پریشان تھیں اور پچھلے کافی دنوں سے یہ اصرار کر رہی تھیں کہ ہم انھیں گیس پیپر بنا دیں، لیکن ہمارا جواب نفی میں تھا، کیوں کہ ہمارا یہ کہنا تھا کہ جب آپ کی تیاری خیر سے مکمل ہے اور آپ کلاس میں بھی باقاعدہ ہیں تو پھر ڈرنا کیسا، لیکن وائے قسمت جب ہمارا انکار ہماری امی جی تک پہنچا تو ہمیں ایسا زبردست ڈوز ملا کہ چودہ طبق روشن ہو گئے اور ہمیں مجبوراً اپنی بہن کو گیس پیپر بنا کر دینا پڑا۔

ساتھیو! آپ کو تو گیس پیپر کا مطلب پتا ہی ہو گا، لیکن ہمارا خیال ہے کہ ہمارے وہ بہن بھائی جو کہ چھوٹی کلاسوں کے طالبِ علم ہیں انھیں اس بَلا کا مطلب نہیں معلوم ہو گا۔ اُن دوستوں کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ گیس پیپر اُس پرچے کو کہتے ہیں جو امتحانات سے پہلے اساتذہ اور ہمارے جیسے بڑے بہن بھائی اپنے چھوٹوں کو ہر مضمون کے اہم سوالات بتاتے ہیں، جن کے امتحانات میں آنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ یہ سوالات متعلقہ بورڈ کے گزشتہ پانچ دس پرچوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیے جاتے ہیں۔

اور ساتھیو! آپ تو سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ ہماری خوشامد کیوں کی جا رہی تھی۔ جی ہاں، آپ درست سمجھے ہمارا گیس پیپر ۹۵ فی صد بلکہ اس سے بھی زیادہ صحیح لگتا ہے اور ہماری اس خوبی نے جسے ہم خوبی نہیں خرابی سمجھتے ہیں، کیوں کہ ہمارا خیال ہے کہ یہ منفی خاصیت ہے اور منفی خاصیت خوبی نہیں خرابی ہوتی ہے اور اس خرابی نے ہماری تو خوبیوں کو بھی دُھندلا دیا ہے۔ ہمارے گھر والے برملا کہتے ہیں کہ ہمارے ہمیشہ فرسٹ آنے کا راز یہی ہے۔ ہم لاکھ دلائل پیش کرتے ہیں کہ بھئی گیس پیپر کا سلسلہ تو نویں کلاس سے شروع ہوتا ہے اور ہمارا ریکارڈ تو پہلی کلاس سے شروع ہوتا ہے

لیکن کوئی شنوائی نہیں۔ اب ہم نے نیک بننے کی سوچی ہے تو کوئی ہمارا ساتھ نہیں دیتا، کیوں کہ یہ تو ظالم دنیا کا دستور ہے کہ یہ نیک راہ پر چلنے والوں کی راہ میں روڑے ضرور اٹکاتی ہے۔ تھک ہار کر ہم نے یہ سوچا کہ کیوں نہ گیس پیپر اور اس کے منفی اثرات کے بارے میں ذرا خود بھی سوچیں اور آپ کو بھی بتائیں۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ گیس پیپر کی دراصل نالائقوں کو ضرورت ہوتی ہے، لیکن ہم کریں تو کیا کریں۔ آپ کہیں بھی، کسی اسکول میں، کالج میں یا ٹیوشن سینٹر ہی میں دیکھ لیں۔ اساتذہ کو خود اپنی دی ہوئی تعلیم پر بھروسا نہیں اور وہ آخر میں طالب علموں کو گیس پیپر بنا دیتے ہیں۔ دراصل یہ روایت اساتذہ کی ہی قائم کی ہوئی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ طالبِ علم سارا سال یونہی اُلٹی سیدھی سرگرمیوں میں وقت گزار دیتے ہیں اور آخر میں گیس پیپر رَٹ کر پاس ہو جاتے ہیں اور ہاں رَٹتے بھی صرف اچھے طالبِ علم ہیں باقی کا تو نقل پر گزارا ہے اور باقی لوگ سفارش کروا لیتے ہیں۔ اسی لیے آج کے طالبِ علم کی معلومات دیکھیے۔ اس کے پاس عِلم کے نام پر تو کچھ بھی نہیں۔ ڈگریوں کا بوجھ بڑھانے سے علم کے دروازے تو نہیں کھلتے لیکن کس کو پروا ہے کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔

امتحانات کی رات میں جب میں پہلے لوگ پڑھا کرتے تھے اور آج کل اِدھر اُدھر سے پیپر آؤٹ کروانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں اور صبح اُس پیپر کے جوابات فوٹو اسٹیٹ کروا کر نقل کے لیے لے جاتے ہیں۔ طالبِ علم پاس، اسکول، کالج کا رزلٹ ٹھیک ٹھاک اور اساتذہ مطمئن۔ یہ ہے ہمارا معیارِ تعلیم۔ اور جو بے چارے پڑھنے والے طالبِ علم ہیں اس افراتفری کے چُنگل میں آ کر وہ بھی مجبوراً گیس پیپر کا سہارا لیتے ہیں۔ اچھے ساتھیو! آپ وعدہ کریں، ہم سے نہیں اپنے آپ سے وعدہ کریں کہ آپ اچھے بچّوں کی طرح اپنی تعلیم مکمل کریں گے، بغیر نقل کیے، بغیر کسی گیس پیپر کے سہارے کے۔ آپ صرف ایک دفعہ محنت کریں، سچّے دل سے اور اس کے بعد امتحان دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کے پاس کتنا عِلم ہے؟ کتنی معلومات ہیں، اور کتنے نمبر۔ آپ کے نمبر تو صرف آپ کو اگلی کلاس میں پہنچائیں گے، لیکن آپ کا عِلم اور معلومات آپ کے ساتھ تمام عمر رہے گا۔ بس آزمائش شرط ہے اور اگر "نونہال" پڑھنے والے کسی ایک بچّے نے بھی میری بات سمجھ لی، سُن لی تو میں سمجھوں گی کہ میری محنت وصول ہو گئی۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہم نے آج سے گیس پیپر کو گیس بنا کر اُڑا دیا۔ ویسے یہ گیس پیپر کا نسخہ اب ہمارے کسی کام کا بھی نہیں، کیوں کہ

اب ہم کسی مریض سے یہ تو نہیں کہہ سکیں گے کہ آپ کی بیماری تو ہمارے امتحان کے سال اہم نہ تھی، آپ ہم سے پہلے والے ڈاکٹر کے پاس جائیں، اُن کے امتحان میں یہ سوال آیا تھا۔ کیوں ٹھیک ہے نا! سمجھ گئے آپ شاباش۔

ہمارے مصیبت زدہ بھائی

رختاج دریا خان، کراچی

قحط سالی کے لفظ سے صرف وہی لوگ واقف ہیں جو اس اذیت ناک عذاب سے دوچار ہوئے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں۔ اس لیے ہم اس بات کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ قحط سالی کتنی بڑی مصیبت ہے۔ ہم ہر روز اخبارات، رسائل، ٹیلے وژن اور ریڈیو پر یہ خبریں سنتے اور پڑھتے ہیں کہ افریقہ کے لوگ تڑپ تڑپ کر جان دے رہے ہیں، کیوں کہ ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے۔ ان لوگوں سے جا کر کوئی اس منحوس لفظ کا مطلب پوچھے تو پھر اس دردناک المیے کا اندازہ ہوگا۔ افریقہ کے مجبور اور لاچار لوگ زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہیں۔ انھیں نہ تو زندوں میں شمار کیا جا سکتا ہے نہ مُردوں میں۔ وہ لوگ دن میں ہزاروں کی تعداد میں اپنی ابدی نیند سو جاتے ہیں۔ اس بے رحم اور خود غرض دنیا کو چھوڑ کر اپنی آخری آرام گاہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ بھوک اور پیاس سے وہ لوگ ہڈیوں کا پنجر بن گئے ہیں۔

یہ واقعہ تاریخ اسلام میں بڑا ہی دردناک واقعہ ہے۔ آج اگر ہم سوچیں تو سب سے پہلے مسلمانوں کو اس عذاب کا افسوس ہونا چاہیے اور ان کی غیرت کو جاگنا چاہیے۔ چودہ سو برس پیش تر جب مسلمانوں کو بے یار و مددگار کر کے ہجرت پر مجبور کیا تو ایتھوپیا (حبشہ) ہی ایسا ملک تھا جہاں مسلمانوں کو پناہ اور آرام ملا۔ مسلمانوں کو کبھی اس احسان کو نہیں بُھلانا چاہیے۔ آج جب ان لوگوں کو ہماری مدد اور توجہ کی ضرورت ہے تو ہمیں چاہیے کہ اپنے ان پرانے محسنوں کی دل کھول کر مدد کریں۔ انھیں سہارا دیں۔ کئی ممالک ایسے ہیں جو ان کی مدد کر رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود نہ جانے خدا انھیں کس گناہ کی سزا دے رہا ہے۔ بہرحال ہمیں اور نہیں تو انسانی ہمدردی ہی کی خاطر ہر طرح ان کی مدد کرنی چاہیے۔ پاکستان میں اس سلسلے میں جو صدارتی فنڈ کا انتظام ہوا تو ہمارے لیے یہ ایک سنہری موقع ہے کہ ان کی ہر ممکن مدد کریں۔ ہمارا ایک ایک پیسہ ان لوگوں کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر پاکستان کا ہر فرد صرف چند رُپے ہی اپنے ان مظلوم بھائیوں کی امداد کے لیے دے تو اتنی بڑی رقم ہو سکتی ہے جس سے ان لوگوں کے لیے غلّے کی کافی بڑی مقدار مہیا کی جا سکتی ہے۔

ہمارے بنگلہ دیشی بھائی بھی سیلاب سے تباہ ہوئے ہیں۔ اُن کی مدد بھی ہمارا فرض ہے۔

اپنی شخصیت پُرکشش بنائیے

اللہ رکھی بٹ، کراچی

اگر ان مشوروں پر عمل کریں تو لوگ آپ کو پسند کریں گے اور آپ کی شخصیت پُرکشش ہو جائے گی۔

* کسی کو دوسروں کے سامنے شرمندہ نہ کرو۔
* جو کچھ اپنے لیے پسند نہیں کرتے اسے دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔
* دوستوں کو عزیز رکھو۔
* دوست اور دشمن کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔
* عقل مند اور دانا کو دوست بناؤ۔
* ماں باپ کو نعمت سمجھو۔
* استاد کو بہترین رہنما سمجھو۔
* اپنے راز کو راز رکھو۔
* خرچ آمدنی کے لحاظ سے کرو۔
* ہر کام میں درمیانی چال اختیار کرو۔
* زبان کو اپنے قابو میں رکھو۔
* جسم اور لباس پاک صاف رکھو۔
* ہر کام عقل مندی اور بُردباری سے کرو۔
* آج کا کام کل پر مت چھوڑو۔
* گزرے ہوئے لڑائی جھگڑے کو یاد نہ رکھو۔
* رشتے داروں سے رشتے نہ توڑو۔
* اپنے سے بڑے سے مذاق نہ کرو۔
* ہر شخص کے ساتھ اُس کے مرتبے کے مطابق سلوک کرو۔
* کم کھانے، کم بولنے اور کم سونے کی عادت ڈالو۔
* لوگوں کے سامنے ناک اور منھ میں انگلی مت ڈالو۔
* جماہی لیتے وقت منھ پر ہاتھ رکھو۔
* ہر وقت مذاق مت کرو۔
* ایسی باتیں نہ کرو جس سے تمھارا مذاق اُڑایا جائے۔
* اپنی تعریف اپنے منھ سے مت کرو۔
* اپنے آپ کو زیادہ نہ سنوارو۔
* بات کرتے وقت ہاتھ زیادہ نہ ہلاؤ۔
* مُرے ہوئے کو بُرائی سے یاد نہ کرو۔
* غصے کی حالت میں سنجیدہ بات کرو۔
* آستین سے ناک مت پونچھو۔
* راستہ چلنے میں بڑوں سے آگے مت چلو۔
* جب لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوں تو اُن کے درمیان مت جاؤ۔
* مہمان کے سامنے کسی پر غصہ مت کرو۔
* مہمان سے کوئی کام کرنے کو نہ کہو۔

* جاہلوں کی طرح عام راستوں پر نہ بیٹھو۔
* رُپے کا لین دین ہمیشہ صاف رکھو۔
* بزرگوں کا ہمیشہ ادب سے نام لو۔
* سڑک پر چلتے پھرتے کچھ نہ کھاؤ۔
* اترانے اور شیخی بگھارنے سے بچو۔
* ذمے داری قبول کرنے سے نہ گھبراؤ۔
* جلدی سوؤ، سویرے اُٹھو۔
* فرصت کا وقت کسی اچھے مشغلے میں گزارو۔
* اپنی غلطی دوسروں کے سر نہ تھوپو۔
* غریبوں سے محبّت اور نرمی سے بات کیا کرو۔
* بڑوں سے دھیمی آواز میں گفت گو کرو۔
* ہر روز سونے سے پہلے اپنا محاسبہ کرو۔

انوکھی شرطیں

سید یاسر علی قادری، کراچی

بہت سال پہلے کی بات ہے کہ ملک جاپان میں ایک امیر آدمی رہتا تھا۔ اس کا نام چیکو تھا۔ اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ دونوں جڑواں تھیں مگر ان کی ماں مر چکی تھی۔ بے چارے باپ کو اکیلے ہی ان دونوں ننھی منّی جانوں کو پالنا تھا۔ جب وہ ایک کو کھلاتا تو دوسری اپنی باری آنے تک روتی رہتی۔ اسی طرح وہ بچّیوں کو پالتا رہا۔ وہ اپنی لڑکیوں سے بہت محبّت کرتا تھا۔

دن گزرتے رہے۔ لڑکیاں بڑی ہو گئیں۔ چیکو نے سوچا کہ میں اپنی بہت ساری جائداد کس بیٹی کو دوں؟ آخر اس کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے اپنی دونوں بیٹیوں کو بُلا کر کہا کہ میں تم دونوں میں سے اپنی ساری جائداد اس کو دوں گا جو ذہین لڑکی میری شرط کو پورا کرے گی۔ اس نے بڑی بیٹی یوکی سے کہا کہ تمھیں ایک کاغذ میں آگ لانا پڑے گی۔ پھر اس نے اپنی چھوٹی بیٹی جی یو سے کہا کہ ایک کاغذ میں ہوا کے جھونکے لانے پڑیں گے۔ ورنہ تم دونوں واپس نہ آنا۔

دونوں لڑکیوں نے شرطیں سُن کر جانے کی اجازت مانگی، لیکن دونوں پریشان تھیں کہ یہ انوکھی شرطیں کیسے پوری کریں گی۔ یہ سوچ کر وہ گاؤں کے ایک بوڑھے عقل مند آدمی کے پاس گئیں اور اس سے مشورہ مانگا۔ اس نے تعجب سے کہا کہ کاغذ میں آگ لے جانے کی اس نے بات بھی نہیں سُنی اسی طرح ہوا کے جھونکوں والا کاغذ بھی کہیں نہیں ہوتا۔ غرض ہر طرف سے مایوس ہو کر وہ آگے بڑھیں اور جنگل کی طرف نکل گئیں۔ یہاں انھیں کچھ عجیب درخت نظر آئے۔ اتنے میں انھوں نے دیکھا کہ ایک عجیب سی صورت کا بوڑھا آدمی اچانک درخت کے پیچھے سے نکلا اور کہا کہ تم کون ہو اور کیا کر رہی ہو۔ یہ علاقہ

میرا ہے اور درخت بھی۔ اس کی ڈراؤنی شکل دیکھ کر چی یو ڈر کر رونے لگی۔ بوڑھے آدمی نے کہا، رو مت، نہیں تو تمھارے آنسو کے نمکین پانی سے پیڑ مرجھا جائیں گے۔ پھر اس نے آنے کا سبب پوچھا۔ دونوں نے انوکھی شرطیں بتائیں۔ بوڑھے نے کہا، یہ تو کوئی مشکل کام نہیں۔ ایسا کاغذ تو آسانی سے مل سکتا ہے۔ یہ سنتے ہی دونوں خوش ہو گئیں۔

بوڑھے نے کہا کہ دیکھو یہ رہا وہ کاغذ۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ ایک رنگین کاغذ کا بڑا سا ٹکڑا لہراتا ہوا نیچے آپڑا۔ بوڑھے نے اسے اُٹھایا اور کہا اس کاغذ سے تمھارا کام ہو جائے گا۔ اصل میں ہوا تو تمھارے چاروں طرف بھری ہوئی ہے۔ بس اس کے لیے جھونکوں کی ضرورت ہے۔

چی یو نے کہا، اس کاغذ کے ٹکڑے سے ہوا کیسے لے جا سکتے ہیں۔ بوڑھے نے درخت کی چھوٹی چھوٹی اور سیدھی سیدھی ٹہنیاں توڑ کر برابر برابر اس کاغذ پر چپکا دیں، پھر اس نے اپنی انگلیوں کی مدد سے اس کاغذ کو تہ کیا اور کہا، یہ تمھارا تحفہ بن گیا، اور یہ تمھارا پنکھا تیار ہو گیا۔

بوڑھے نے یوکی کے لیے یہ رنگین کاغذ اور ٹہنیاں لے کر اس کو موڑ کر گول جیسی چیز بنا دی اور کہا کہ یہ رہی تمھاری قندیل۔ یہ کہہ کر موم بتی جیب سے نکال کر قندیل کے اندر لگا دی اور کہا اب اس کاغذ میں تم آگ لے جا سکتی ہو۔ اس طرح دونوں بہنوں کی شرطیں پوری ہو گئیں اور دونوں گھر واپس روانہ ہو گئیں۔ راستے میں جب کبھی سورج چمکنے سے گرمی معلوم ہوتی تو وہ پنکھا جھلنے لگتیں۔ اور جب گھپ اندھیرا ہو جاتا تو اپنی قندیل کی مدد سے راستہ دیکھتیں۔ غرض کہ وہ گھر پہنچ گئیں اور اپنے باپ کو اپنی ذہانت کا ثبوت دے دیا۔ باپ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اپنی ساری جائداد دونوں بیٹیوں میں برابر تقسیم کر دی اور وہ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

جاپان میں جہاں جہاں محبت کا رواج ہے وہاں پنکھیاں اور قندیلیں اپنی بہار دکھاتی ہیں اور اس کو جاپان میں محبت اور ذہانت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ (جاپانی کہانی)

ابنِ انشا

محمد غلام حسین میمن، حیدرآباد

ابنِ انشا کا نام اردو ادب کے مزاح نگاروں کی صفوں میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ ابنِ انشا اردو کے مشہور صحافی، ادیب اور شاعر تھے۔ ۱۹۲۷ء کو ضلع جالندھر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے بی۔ اے اور ۱۹۵۳ء میں کراچی یونی ورسٹی سے ایم۔ اے کیا۔

بی۔ اے کرنے کے بعد ملازمت کے سلسلے میں آل انڈیا ریڈیو، ریڈیو پاکستان، آئین ساز اسمبلی اور محکمۂ ترقی دیہات سے وابستہ رہے۔ ۱۹۶۲ء میں مرکزی حکومت کے خود مختار ادارے نیشنل بک کونسل آف پاکستان کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۶ء میں لندن میں پاکستانی سفارت خانے میں تقرر ہوا اور لندن ہی میں ۱۱۔ جنوری ۱۹۷۸ء کو انتقال کیا۔

ابنِ انشا نہ صرف صحافی اور ادیب تھے بلکہ ایک اچھے شاعر بھی تھے ان کی نظموں کا مجموعہ "چاند نگر" شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ نثر میں ان کی مشہور کتابیں "دنیا گول ہے"، اردو کی آخری کتاب، آوارہ گرد کی ڈائری، ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں، چلتے ہو تو چین کو چلیے، قابلِ ذکر کتابیں ہیں۔ نثر میں ان کی زبان بڑی شگفتہ ہے اور یہی ابنِ انشا کی نثر کا امتیازی نشان ہے۔

اسکول کا زمانہ

عابد محمد خان، کراچی

اسکول کی زندگی صحیح معنوں میں آرام و سکون کی زندگی ہوتی ہے۔ اس زندگی میں نہ کسی کا غم نہ کسی کی فکر۔ اپنی نیند سونا اور اپنی مرضی سے جاگنا جہاں جی چاہا بیٹھے، جو دل چاہا کیا۔ صبح سے شام تک اپنے ہی طے کردہ پروگرام کے تحت زندگی بسر ہو رہی ہے۔ صبح ہوئی نہائے دھوئے، ناشتا کیا۔ کتابیں سنبھالیں اور اسکول کی طرف چل دیے۔ راستے میں ہم جماعت آ کر مل رہے ہیں۔ سب خوش گپیاں کرتے ہوئے اسکول جا پہنچے۔ کچھ وقت ہوا تو میدان میں بھاگ دوڑ ہو رہی ہے، ورنہ گھنٹی بجی اور اپنی اپنی جماعت میں اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ ٹائم ٹیبل کے مطابق دن بھر پڑھائی ہوتی رہی، کبھی انگریزی، کبھی حساب، کبھی کیمیا، کبھی اردو اور کبھی سائنس۔ وقت مقررہ پر چھٹی ہوئی۔ گھر پہنچے تو کھانا تیار۔ منھ ہاتھ دھویا اور کھانا کھایا اور کچھ آرام کیا اور پھر شام کو اپنا کھیل کھیلنے کے بعد پھر سبق کی تیاری ہے۔ زندگی کے شب و روز اسی طرح گزرتے جا رہے ہیں۔

طالب علمی کے زمانے میں نہ فکرِ معاش ہوتی ہے اور نہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ جب بچے محنتی ہوتے ہیں اور دل لگا کر پڑھتے ہیں وہ چھوٹی عمر ہی میں خاصی قابلیت پیدا کر لیتے ہیں۔ اور امتحان میں بڑے اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ گھر بھر کی نگاہوں کا تارا ہوتے ہیں۔ اساتذہ بھی انھیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ انھیں خاص توجہ اور شفقت سے پڑھاتے ہیں۔ ہم جماعت بھی اُس کی عزت کرتے ہیں۔

اسکول کی زندگی میں تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف کھیلوں کی بھی تربیت دی جاتی ہے۔ اس میدان میں بھی بعض طالبِ علم بڑا نام پیدا کرتے ہیں۔ پاکستان کے کرکٹ کے ٹیسٹ کھلاڑی حنیف محمد

کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ تعلیم کے دوران ہی میں اسکول کے اس نوعمر طالب علم نے ہندستان انگلستان اور ویسٹ انڈیز میں بڑے بڑے آزمودہ کھلاڑیوں کے چھکے چھڑا دیے ہیں۔

اسکول کی زندگی ہمیں اعلا اخلاق، نظم و ضبط تنظیم، خدمتِ ملک و ملّت اور ایثار و قربانی سکھاتی ہے۔ اس عمر میں ہی ہم بنی نوع انسان کی خدمت کرنا سیکھتے ہیں۔ اچھے اساتذہ اپنے طالب علموں میں بلند کرداری کوٹ کوٹ کر بھر دیتے ہیں جس سے اُن کا مستقبل روشن اور درخشاں ہو جاتا ہے اور وہ اعلا مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔

دورانِ تعلیم کچھ طالب علم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زندگی بہت بری زندگی ہے۔ یہ کھلنڈرے، بے فکرے اور کام چور طالب علم ہوتے ہیں۔ یہ بھی جب اسکول یا کالج چھوڑتے ہیں اور دنیاوی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ وہ کس قدر غلطی پر تھے۔ اسکول کی زندگی تو جنّت کی زندگی ہے۔ ایسے لوگ بعد میں پچھتاتے ہیں کہ ہم نے اپنے اسکول کے دن بے کار گنوائے اور کچھ محنت نہ کی، لیکن گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ جوں جوں ان کی ذمے داریاں بڑھتی ہیں وہ مصیبتوں سے دوچار ہوتے ہیں اور اپنے اسکول کے دِنوں کو یاد کرتے ہیں۔

اسکول کے دِنوں کی حقیقی مسرت جب کوئی طالب علم امتحان میں اوّل آیا ہو اس وقت ہوتی ہے یا جب تحریر و تقریر کے مقابلے میں اُس نے انعام حاصل کیا ہو یا جب کھیل کے میدان میں اُس نے کوئی نمایاں کارنامہ سرانجام دیا ہو۔ ایسی خوشی پھر زندگی بھر نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسکول کے دن گویا ہنسی اور خوشی کا زمانہ، آرام و آسائش کا زمانہ واقعی ہماری زندگی کے وہ بہترین دن تھے۔ بعد میں پچھتانے سے فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔ مبارک ہیں وہ طالب علم جو وقت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور کام یاب ہو کر نام پیدا کرتے ہیں، اپنا بھی اور ملک کا بھی۔

اخباروں کی سُرخی

مہربان اعظم، بستی استرانہ جنوبی

ٹھیکے دار نے رحیم کو زوردار تھپڑ رسید کیا اور کہا، "شرم نہیں آتی مزدوری زیادہ مانگتا ہے۔ ابھی تو تیری عمر ۱۲ سال ہے۔" رحیم نے گال ملتے ہوئے خوف زدہ آواز میں کہا، "لیکن صاحب، میں کام تو بڑوں کے برابر کرتا ہوں۔"

"برابر کرتا ہے تو کوٹھی اور جگہ ڈھونڈ اور یہاں نہ آیا کر۔" ٹھیکے دار نے وہیں کھڑے رحیم کی قسمت کا فیصلہ سُنا دیا۔ رحیم یہ سُن کر رونے لگا، "صاحب جی، معاف کر دو آیندہ مزدوری کے لیے کبھی شکایت نہیں کروں گا۔" رحیم نے روتے ہوئے کہا، لیکن ٹھیکے دار کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور اس نے چیخ کر کہا، "چلے جاؤ۔" وہ روتے ہوئے چل

پڑتا۔ اس کا بوڑھا باپ ٹی۔بی کا مریض تھا۔ اس کی ماں دوسروں کے گھروں میں کام کرتی تھی۔ وہ کُل آٹھ بہن بھائی تھے۔ وہ اور اس کا بڑا بھائی مزدوری کر کے گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹا رہے تھے، لیکن آج اسے مزدوری سے جواب مل گیا تھا۔ وہ مایوسی کے عالم میں سڑک کے کنارے بے مقصد چلا جا رہا تھا۔ سڑک کے کنارے ایک میدان میں کچھ لڑکے فٹ بال کھیلتے ہوئے دکھائی دیے۔ وہ بچپن سے نہیں کھیلا تھا۔ آج اس نے کھیلنا چاہا۔ وہ بچوں کے پاس جا کر کہنے لگا، "میں بھی کھیلنا چاہتا ہوں۔" بچوں نے بے نیازی سے اس کی طرف دیکھا۔ ایک کہنے لگا، "اس کے کپڑے کتنے خراب ہیں! اس سے تو بدبو آتی ہے۔" ایک اور لڑکے نے کہا، "اسے نکال دو۔ خواہ مخواہ کھیل رکوا دیا ہے۔" لیکن رحیم ان کے دھکّے دینے سے قبل ہی میدان سے نکل آیا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اس کے ذہن میں انتقام کے منصوبے پلنے لگے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا غریب کی اس دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

وہ یہی سوچتے ہوئے چل رہا تھا کہ اسے دو نوجوان نظر آئے۔ انھوں نے رحیم کو بُلایا۔ اسے پیار کیا۔ کچھ مٹھائی دی۔ رحیم نے جو سدا سے پیار کا پیاسا تھا، اُنھیں ایسی نظروں سے دیکھا۔ جیسے وہ اس زمین پر خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہوں۔ انھوں نے رحیم کو کوئی چیز دی اور کہا، "یہ جا کر اس سامنے والی عمارت میں رکھ آؤ۔" اور رحیم نے کسی جھجک کے بغیر وہ چیز ان سے لی اور عمارت میں داخل ہو گیا۔ صدر دروازے پر کھڑے گارڈ کی اس کی طرف پشت تھی، اس لیے رحیم وہ چیز عمارت میں رکھ کر واپس آ گیا، لیکن اب وہ سنبھل چکا تھا۔ آتے ہی اس نے پوچھا، "جناب، وہ کیا چیز تھی؟"

"بم، تاکہ یہ عمارت تباہ ہو جائے۔" ایک نوجوان نے سفاک لہجے میں کہا، اور رحیم کو جھرجھری سی آ گئی۔ اس کے سامنے عمارت کھنڈر لگنے لگی اور اس کی نظروں کے سامنے لاشوں کے ڈھیر پھر گئے۔ چند منٹ قبل اس کے ذہن میں پلنے والے انتقامی منصوبے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ اچانک ایک نوجوان نے نوٹوں کی ایک گڈّی رحیم کے ہاتھ میں تھما کر کہا، "یہ لو تمھارا انعام۔" رحیم نے سُرخ سُرخ نوٹوں کی گڈّی دیکھی۔ اس کی نظروں کے سامنے بیمار والد، کم زور والدہ اور بھوکے بہن بھائی آ گئے، لیکن دوسرے لمحے وہ عمارت کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اس نے چیخ کر کہا، "نہیں۔ نہیں۔" دونوں نوجوان چونکے، لیکن رحیم نوٹوں کو پھینک کر عمارت کی طرف دوڑ چکا تھا۔ دونوں نوجوانوں نے اس کے پیچھے جانے کا ارادہ کیا ہی تھا، لیکن رحیم عمارت میں داخل ہو کر بم اُٹھا چکا تھا۔ گارڈ رحیم کے پیچھے تھا۔ رحیم نے چیخ کر کہا، "میرے قریب مت آؤ۔ میرے پاس بم ہے۔" گارڈ

وہیں رُک گیا۔ رحیم صدر دروازے سے نکلا۔ دونوں نوجوانوں نے گھڑی دیکھی اور ایک طرف بھاگے۔ رحیم ان کے پیچھے بھاگا۔ اسی لمحے ایک خوف ناک دھماکا ہوا اور رحیم کا جسم ہزاروں ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ سدا کے پیاسے رحیم نے جان کا نذرانہ دے کر اس مادرِ وطن کو ایک بار نقصان سے بچا لیا۔

دوسرے دن اخباروں کی سرخی تھی۔

"دفاع سیکرٹریٹ کے قریب بم کا دھماکا ایک بچّہ جاں بحق۔"

خوف ناک کہانیوں کی کتاب

جاوید اقبال، لاہور

ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ چاند کی روشنی درختوں کی ٹہنیوں سے گزر کر زمین تک پہنچ رہی تھی۔ جنگل میں ہُو کا عالم تھا۔ سب پرندے اور جانور اپنے گھروں میں دُبکے بیٹھے تھے۔ دوپہر کو میں کسی ہرن یا بارہ سنگھے کی تلاش میں اس منحوس جنگل میں آن پھنسا تھا اور پھر واپسی کا راستہ کھو بیٹھا۔ مارے پیاس کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے۔ درندوں کا خوف الگ جان نکال رہا تھا۔ سانپ بچھّو کے ڈر سے زمین پر لیٹنے کی جرات نہ تھی۔ چلتے چلتے پاؤں من من بھر کے ہو گئے تو ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

ابھی مجھے بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک جھاڑیوں میں کھڑکھڑاہٹ ہوئی۔ میں نے گھبرا کر دیکھا تو ایک دیو ہیکل ہاتھی سونڈ اُٹھائے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ ہاتھی میرے پیچھے بھاگنے لگا۔ کافی دُور تک بھاگتا چلا گیا۔ ہاتھی سَر پر آ پہنچا۔ اچانک سامنے ایک خوف ناک شیر نظر آیا، میں گھبرا کر رُک گیا۔ آگے شیر، پیچھے ہاتھی۔ ایک درخت سے سَر کٹے بھوت اُترنے لگے۔ اسی وقت ایک سانپ نے میرے پاؤں اور ٹانگ کو اپنی کنڈلی کی گرفت میں جکڑ لیا۔ میں نے گھبرا کر بھاگنا چاہا تو اُلٹ کر گر پڑا۔ میرے منھ سے زوردار چیخ نکل گئی اور اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کُھل گئی۔ سب گھر والے اپنے اپنے بستروں پر بیٹھے میری طرف حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ میرا پاؤں چارپائی کی ادوائن میں اُلجھا ہوا تھا اور میرا سارا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ دوسرے ہی لمحے سب گھر والوں نے زور کا قہقہہ لگایا اور میں شرمندہ ہو کر لحاف میں منھ دے کر لیٹ گیا۔ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ صبح اُٹھ کر کمال کو اس کی خوف ناک کہانیوں والی کتاب جو رات کو سونے سے پہلے میں پڑھ رہا تھا واپس کر دوں گا اور آیندہ ایسی کتابیں کبھی نہ پڑھوں گا۔

مستقل پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ

ہمدرد نونہال کے ہزاروں پڑھنے والے ایسے ہیں جو برسوں سے پابندی کے ساتھ رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اُن کے لیے ہر ماہ عُمدہ عُمدہ کہانیوں، معلومات اور تفریحات کا گُل دستہ پیش کرتے ہیں، لیکن اب فیصلہ کیا گیا ہے ہمارے ایسے مُستقل دوستوں کو کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے۔

جنوری ۸۵ء سے رسالے میں ایک کوپن لگایا جارہا ہے۔ یہ تعلیمی تحفے کا کوپن ہے اور ہر مہینے لگایا جائے گا۔ اس کوپن کی صفائی سے خانہ پُری کیجیے اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھیے۔ جب بارہ کوپن ہو جائیں تو آپ احتیاط سے ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم آپ کو مندرجہ ذیل مفید و دل چسپ کتابوں میں سے ایک کتاب جو آپ کو پسند ہو گی بھیج دیں گے۔

(۱) جاگو جگاؤ، از حکیم محمد سعید (۲) چالاک خرگوش کے کارنامے، از معراج (۳) قصہ اژدہا پکڑنے کا، از محمود علی اسد و دیگر (۴) چند مشہور طبیب اور سائنس دان، از حکیم محمد سعید و دیگر (۵) ابو علی کا جوتا، از عبدالحمید نظامی و دیگر (۶) صحت کی الف بے، از مسعود احمد برکاتی (۷) ننھا سیاح، از محمد زکریا مائل (۸) غذائیں دوائیں، از ادارۂ ہمدرد نونہال (۹) سنہرے اصول، از حکیم محمد سعید (۱۰) ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی، از علی اسد (۱۱) کھلونا نگر، از غازی کمال رشدی (۱۲) ننھا سراغ رساں، از مسعود احمد برکاتی و دیگر (۱۳) پُراسرار غار، از میرزا ادیب و دیگر

ان میں سے جو کتاب بھی آپ کو پسند ہو اُس کا نام تمام کوپنوں میں لکھ دیجیے۔ بارہ کوپنوں میں سے ہر کوپن کی خانہ پُری کیجیے تاکہ کوئی دوسرا اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ بارہ کوپن جمع کرکے بھیجنے والے اگر ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ کتابیں خریدنا چاہیں تو اُن سے ۲۵ فی صد قیمت کم لی جائے۔

اکتوبر ۱۹۸۵ء

کوپن علمی تحفہ

میں ہمدرد نونہال مُستقل پڑھنے اور خریدنے والا/والی ہوں اور بارہ کوپن جمع کرکے بھیج رہا/رہی ہوں۔ مہربانی کرکے مجھے مندرجہ ذیل کتاب علمی تحفے کے طور پر بھیج دیجیے۔

نام کتاب: ____________________

نام: ____________ عُمر: ______ تعلیم: ____________

پتا: ____________________

یہ کوپن صرف دسمبر ۸۵ء تک چھپے گا۔

Adarts LA-1/81

بزمِ نونہال

¤ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا۔ جناب برکاتی صاحب پہلی بات باقاعدگی سے اور عمدہ لکھ رہے ہیں۔ کہانیاں سب اچھی تھیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ نادرہ جبیں، کراچی

¤ جب سے ہم نے نونہال پڑھا ہے رات کو ہم لوگ جب تک نونہال کا مطالعہ نہ کریں ہمیں نیند نہیں آتی۔

مقبول احمد زاہد، پپلان

¤ نونہال کو میں بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ اگست کی تمام کہانیاں اور معلوماتی مضامین سب ہی اچھے تھے میں نونہال ادیب میں ایک مضمون بھیجنا چاہتا ہوں جس کا عنوان ہے "کیا، کیوں اور کیسے" یہ مضمون ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ جب یہ مضمون مکمل ہو جائے گا تو اسے روانہ کر دوں گا۔ مجھے امید ہے آپ میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ میں اپنی بھتیجی کی تصویر بھیجوں تو سرورق پر چھپ سکتی ہے؟ محمد وسیم آرائیں، کراچی

¤ کیا میں آپ سے بہ ذریعہ وی۔ پی۔ ہمدرد فاؤنڈیشن کی کتابیں منگوا سکتا ہوں؟ (نام نہیں لکھ رہا ہوں۔)

> وی پی سے کتابیں منگوا سکتے ہیں، لیکن اس میں خرچ کچھ بڑھ جاتا ہے۔ آپ کو نام لکھنا چاہیے تھا۔ نام نہ ہو تو اخلاقی طور پر جواب کی پابندی نہیں ہوتی۔

¤ خاص کر جاگو جگاؤ، یوں بھی ہوتا ہے، بادشاہ اور شہزادہ اور مستقل سلسلے بہت ہی پسند آئے۔

جیوترام۔ جے۔ بجاج، روہڑی

¤ تمام تحریریں بہت ہی اچھی تھیں۔ لیکن خاص طور پر مجھے علی اسد کی تحریریں بہت پسند آئی۔

اقبال رضا خان، کراچی

¤ اگست کے شمارے میں تمام تحریریں چمک رہی تھیں۔ خاص طور پر سب سے زیادہ روشنی تو "جاگو جگاؤ" میں سے پھوٹ رہی تھی۔ سید نہال اظہر علی کرمانی، کراچی

¤ میں نونہال سے بچپن سے واقف ہوں۔ خاص طور پر مجھے معلوماتِ عامہ سے بہت لگاؤ ہے۔ ابھی میرے پاس بہت سی معلومات کے علاوہ تاریخی واقعات بھی پڑے ہیں۔

کاشف راجپوت بھٹی، حیدرآباد

> تھوڑی سی معلومات بھیج دیں، لیکن ہر معلومات کا حوالہ ضرور لکھیں۔

¤ کالم "پیغامات" اور "ناقابلِ اشاعت" شروع کر دیں۔

پرنس افضل شاہین، بہاولنگر

¤ مجھے نونہال سے اتنا پیار ہے کہ جب تک اسے پورا نہ پڑھ لوں ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ میں جب پانچویں جماعت میں تھا اس وقت سے نونہال پڑھ رہا ہوں اور اب میں دسویں جماعت کا طالبِ علم ہوں۔ طارق علی، کراچی

¤ اگست کا شمارہ اچھا لگا۔ اس میں جاگو جگاؤ اور تحفے کے علاوہ کوئی چیز بھی اچھی نہ تھی۔ کہانیاں کچھ معیاری تھیں۔ لطیفے بور تھے۔ امتیاز احمد خان، کراچی

¤ لطیفے، انوکھا کھلونا، جاگو جگاؤ، خیال کے پھول اور سدا بہار قصے عمدہ تھے۔ فیض کے معنی کیا ہیں؟ شمیم، حیدرآباد

> فیض کے معنی فائدہ، نفع، بھلائی ہیں۔

¤ کہانیوں میں یوں بھی ہوتا ہے (میرزا ادیب) جان صاحب (مناظر صدیقی) اور سدا بہار قصے بے حد پسند آئیں۔ نظم "علم کی روشنی" بے حد پسند آئی۔ صائمہ اظہر

¤ لگتا ہے آپ نے اپنے دفتر میں ردی کی ٹوکری نہیں پورا کچرے کا ڈرم رکھا ہے۔ کیا یہ درست ہے۔ شبانہ عظمی

¤ چالاک خرگوش کے بدلے کوئی مزے دار کہانی شائع کریں۔ ندیم جاوید، میرپور خاص

✖ کیا میں کسی کتاب سے اچھی سی کہانی آپ کو لکھ دوں۔ اور پھر آپ اس کو شائع کر دیں گے یا یہ نقل تصور کی جائے گی؟

ملک اشفاق حسین، چونڑ والا

> کسی کتاب سے کہانی لکھنا تو نقل ہو جائے گی، البتہ اگر کتاب کسی دوسری زبان میں ہے تو اس سے ترجمہ کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ لکھ دینا چاہیے کہ کہاں سے لیا ہے۔

✖ یوں بھی ہوتا ہے، مسٹر ڈرپوک، بادشاہ اور شہزادہ اور حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ خط لکھنے کے لیے سیاہی نیلی ٹھیک رہتی ہے یا کالی؟ مجھے ہمدرد نونہال کا سب سے پہلا شمارہ چاہیے۔

محمد خالد رشید، بہاول نگر

> خط لکھنے کے لیے نیلی یا کالی دونوں روشنائیاں استعمال ہو سکتی ہیں، لیکن ہری یا لال روشنائی مناسب نہیں ہوتی۔ نونہال کا پہلا شمارہ اب کہاں ہے۔

✖ سرورق اپنی مثال آپ تھا۔ صحت مند نونہال کے لیے کس سائز کی تصویر بھیجوں؟ رنگین بھیج سکتا ہوں؟ عبید علی، کراچی

> پاسپورٹ سائز کی سیاہ و سفید تصویر بھیج سکتے ہیں۔

✖ نونہال میرا محبوب ترین رسالہ ہے اسے ہر ماہ جب تک پڑھ کر ختم نہ کر لوں چین نہیں آتا۔ محمد سمیع اللہ، اوکاڑہ

✖ کہانیاں سب اچھی تھیں۔ محبوب حسین شاہ قاسمی، حیدرآباد

✖ یہ نونہال میں نے پہلی مرتبہ پڑھا جس سے مجھے بہت سی معلومات حاصل ہوئی۔ محمود حسن، سکھر

✖ کہانیوں میں مسٹر ڈرپوک (مہروز اقبال) جان صاحب (مناظر صدیقی) اور انوکھا کھلونا (شاکر عثمانی) پسند آئیں۔ نظمیں اور لطیفے بھی اچھے تھے، لیکن سید مشتاق احمد شاہ کی نظم "جگنو" بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ کوئٹہ کی اردو کی پہلی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔

لعل بخش آزاد، بلوچستان

> سید صاحب! آپ کا نام ایک سال کے لیے "سیاہ فہرست" میں لکھ لیا گیا ہے۔

✖ نونہال خوب مزے لے کر پڑھا۔ کہانیوں میں جان صاحب اور بادشاہ اور شہزادہ پسند آئیں۔ محمد اختر آدم، کراچی

✖ ہمدرد نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ میں اسے باقاعدہ ۱۹۸۳ء سے خرید رہا ہوں اور اب تک میرے پاس اس کے تمام شمارے ہیں۔

مسعود الحسن، کراچی

✖ کہانیوں میں جان صاحب بہت اچھی لگی۔ بادشاہ اور شہزادہ بالکل بوگس تھی۔ جاگو جگاؤ میں جناب حکیم محمد سعید نے اس دفعہ نونہال کی رنگت ہی بدل دی تھی۔ آصف اقبال، حیدرآباد

✖ جاگو جگاؤ، یوں بھی ہوتا ہے، مسٹر ڈرپوک، انوکھا کھلونا، بہت پسند آیا۔

فرخ وسیم، سیالکوٹ

✖ میں معراج صاحب کی لکھی ہوئی قسط وار کہانی ڈاکٹر داجی منگوانا چاہتا ہوں۔ اسے کتابی صورت میں منگوانے کا طریقہ کیا ہے۔ اور میں صحت کی الف ب (مسعود احمد برکاتی) بھی منگوانا چاہتا ہوں۔ اس کی بھی قیمت بتائیں؟

احسن عزیز، راولپنڈی

> "ڈاکٹر داجی" ابھی کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی۔ "صحت کی الف بے" کی قیمت ۴ روپے ہے۔

✖ جاگو جگاؤ، پہلی بات، خیال کے پھول اور نظم "کھلاڑی" بہت اچھی تھیں۔

لقمان شاہ، کراچی

✖ حمد و نعت، کہانیاں، لطیفے، معلومات عامہ، نونہال مصور، سوالات جوابات، نظمیں بہت مزے دار رہیں۔

سجاد احمد سجاد، اٹک

✖ میری ایک گزارش ہے کہ معلومات عامہ کے سوالوں کو آسان کر دیا جائے تاکہ میں اور میرے اور نونہال ساتھی زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔

خالد محمود، کراچی

> اگر تمام سوالات کے جوابات آپ کو پہلے سے معلوم ہوں تو آپ کا علم کیسے بڑھے گا۔

✖ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ سبق آموز ہوتا ہے۔ کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر کہانی جان صاحب بہت اچھی تھی۔ قیس کے معنی کیا ہیں؟

سعیدہ خان، ٹنڈو آدم

> قیس کے معنی مجنوں ہیں۔

✖ میں تقریباً تین سال سے نونہال پڑھ رہا ہوں اور مجھے یہ بہت پسند ہے۔

محمد حنیف، قمبر علی خان

✖ پورا رسالہ خوب صورت کہانیوں کا مرقع تھا۔

بشیر احمد قادری، اٹک

✖ بڑے ادیبوں کی تحریروں پر تو اظہارِ خیال نہیں کرتے کیوں کہ ان کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو دیا دکھانے کے مترادف ہے۔ ہمارا ہدفِ تنقید اپنے بہن بھائیوں کی کاوشوں سے مزین مسکراتے رہو، نونہال ادیب اور بزمِ نونہال ہوتا ہے۔ مسکراتے رہو کے لطائف اچھے تھے، لیکن افسوس ہے کہ شاہد سلطان، کراچی، ملک جاوید، سکھر اور فرحت ریاض، کراچی کے لطیفے نقل شدہ تھے، جب کہ ثریا قادر، نواب شاہ اور پدما جگانی، میرپور خاص نے اصل لطائف معمولی ردّ و بدل کر کے بھیجے تھے۔ شازیہ ستار، لاہور کے خیالات معلوم کر کے حیرت ہوئی۔ انھوں نے معاشرے کے بگاڑ کا تمام تر الزام بزرگوں پر لگا کر نوجوان نسل کو بے انتہا معصوم بنا دیا ہے ورنہ نئی نسل کے کرتوتوں سے کون واقف نہیں۔ "سائنس اور مسلمان" پڑھ کر احساسِ تفاخر ہوا۔ کیا "آپ کے جسم میں کیا کیا ہے؟" اور "چمنستان" شائع ہو گئی ہیں؟ سعدیہ نازنین، کراچی

یہ کتابیں ابھی شائع نہیں ہوئیں۔

✖ میں نونہال بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔

جاوید اختر، کراچی

✖ اگست کا نونہال ہماری توقع سے بھی زیادہ حسین تھا۔ تمام کہانیاں بہت پیاری تھیں۔ نگہت ذاکر، کراچی

✖ اگست کا شمارہ پڑھا اور قلم تھامنے پر مجبور ہو گئی۔ اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر مبارک باد۔ رُبینہ کوثر حامد، ماڈل کالونی

✖ نظموں اور کہانیوں نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ انعامی سلسلہ نونہال پڑھنے والوں کے لیے ایک سبق آموز اور معلوماتی سلسلہ ہے۔ راجا بلند اقبال ثانی، مظفر آباد

✖ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ صفحہ پلٹتے ہی حکیم محمد سعید صاحب کا سبق آموز جاگو جگاؤ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ نظمیں بھی بے حد پسند آئیں۔

سید نجم الحسن عابدی، کراچی

✖ کہانیاں اچھی تھیں۔ ریحانہ صدیقی، کراچی

✖ میں نے ایک دن یونہی ہمدرد نونہال رسالہ بازار سے خرید کر پڑھا تو بہت مزہ آیا۔ کیوں کہ اس کے پڑھنے سے اچھی اچھی کہانیاں اچھے اچھے لطیفے اچھی اچھی معلومات سائنسی اور دیگر بیماریوں کی دواؤں کا پتا چلا۔ عظمت علی، لاہور

✖ میں اب بڑا ہو گیا ہوں، پر ابھی تک نونہال پڑھنا نہیں چھوڑا۔ نونہال میں جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، سدا بہار قصے، تحفے، طب کی روشنی، انسائکلو پیڈیا، اخبارِ نونہال، لطیفے، کہانیاں اور مضامین وغیرہ وغیرہ دل نشین و دل فریب ہیں۔

فرید عالم، کراچی

✖ اگست کا سرورق تو بہت ہی پسند آیا۔ کہانیوں میں جان صاحب، یوں بھی ہوتا ہے اور مسٹر ڈرلوک قابلِ تعریف تھیں۔ لطیفے بھی کافی پسند آئے۔ نسیم بشیر احمد، حیدر آباد

✖ مسکراتے رہو مزے دار تھے۔ تحفے میں کوئی بات نہیں ہے کا عنوان ہے اس میں لکھا ہے کہ خاتون نے پریشان آواز میں "ہائی دی۔" حال آنکہ "دہائی" ہونا چاہیے۔ خانزادہ حمید سمیع، نواب شاہ

✖ کہانیوں میں جان صاحب (مناظر صدیقی) انوکھا کھلونا (شاکر عثمانی) اور بادشاہ اور شہزادہ (علی اسد) اچھی تھیں۔ اس مرتبہ لطیفے نئے اور معیاری تھے۔ بوجھو تو جانیں کچھ دل چسپ سلسلہ نہیں ہے۔ نونہال ادیب میں کہانی لالچ بُری بلا ہے ساتویں جماعت کی سندھی کتاب کا ترجمہ ہے۔ کیا نونہال ادیب میں ترجمے بھی بھیج سکتے ہیں؟

سید شہزاد حسین، کورنگی، کراچی

ترجمہ بھیج سکتے ہیں، لیکن یہ لکھ کر کہ یہ کس کی تحریر ہے اور کہاں چھپی ہے۔

✖ مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ "جناب مسعود احمد برکاتی" کا لکھنے کا شوق پڑھا تو خاصا متاثر ہوا ہوں۔ اب میں بھی پہلے اپنے مضامین کی درستی کر لوں پھر ان شاء اللہ میں بھی ننھے ادیب میں شرکت کروں گا۔ ایس تعظیم حسین کامران، ملتان

✖ اگست کا شمارہ پہلی مرتبہ پڑھا جو کہ بہت ہی خوب صورت تھا۔ معلومات اور تفریح کے سامان سے پُر تھا۔

محمد علی بلوچ، شہداد کوٹ

میری تجویز ہے کہ رسالے میں ہر ماہ ایک بلا عنوان کہانی دیا کریں۔ مسعود سرور گوندل، ملتان

کہانیوں میں بادشاہ اور شہزادہ (جان صاحب، یوں بھی ہوتا ہے (میرزا ادیب) اچھی تھیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ رسالے کی جان ہے۔ لطیفے خوب تھے۔ نظموں میں آزادی کا دن (غنی دہلوی) پسند آئیں۔ عمران خان، گجرات

حکیم محمد سعید صاحب کے جاگو جگاؤ نے تو واقعی کمال کر دیا۔ اتنی عمدہ اور نفیس تحریر پر حکیم صاحب کو میری جانب سے مبارک باد قبول ہو۔ نونہال ادیب میں سب سے اول مضمون "آزادی کی جدوجہد" (رحمن اللہ خان) بہت بہترین تھا۔ پاکستان منظور ہونے کی تاریخ ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء تحریر ہے، لیکن میری معلومات کے مطابق قرارداد پاکستان ۲۴۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو منظور ہوئی تھی۔ محمد سمیع محسن، لانڈھی

نہیں محسن میاں، قرار دادِ پاکستان ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو منظور ہوئی تھی۔

رسالے کا معیار دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے اور جاگو جگاؤ تو اپنی مثال آپ تھا۔ ناگمانی خان ہمدم، بل نگور

ساری کہانیاں پسند آئیں۔ خاص نمبر کی قیمت آپ نے کم کر دی ہے۔ اس کے ساتھ ایک معلوماتی کتاب بھی ہے جس طرح پیارا رسالہ نونہال بچوں کی خدمت کر رہا ہے اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ روبی حنیف

حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ اور آپ کی تحریریں جو وقتاً فوقتاً میرے خوابیدہ ذہن کو روشنی بخشتی ہیں۔ یقین کریں کہ میں انھیں کئی کئی دفعہ پڑھتا ہوں، کیوں کہ آپ کے لکھنے کا انداز بہت ہی سادہ اور شائستہ ہے۔ عبدالواحد کھٹی، سرائے سدھو

خیال کے پھول بہت اچھے تھے۔ تحفے میں آج کل اچھی چیزیں نہیں دے رہے۔ سدا بہار قصّے کے عنوان سے اچھا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جناب ساجد علی ساجد کا مضمون "پیدل چلنا بھی ایک کھیل ہے" مزے دار تھا۔ تسنیم جعفری، لاڑکانہ

حکیم محمد سعید صاحب جس طرح جاگو جگاؤ لکھتے ہیں۔ دل پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ تجدیدِ عہد کا دن مضمون بھی بہت معلوماتی تھا۔ محمد قدیم بیگ، ٹنڈو جام

نونہال ہمیشہ کی طرح ہنستے مسکراتے سرورق کے ساتھ پسند آیا۔ میں نے آپ کی ایک غلطی پکڑ لی ہے۔ معلومات عامہ، ۲۳۲ میں سوال نمبر آٹھ میں لکھا ہے "بتائیے نوبیل انعام کا آغاز کس سن میں شروع ہوا؟" جب کہ اس کی جگہ یوں ہونا چاہیے تھا: "نوبیل انعام کا آغاز کس سن میں ہوا؟" طیبہ مختار، اسلام آباد

طیبہ! واقعی تم نے خوب غلطی پکڑی۔ آغاز کے معنی بھی شروع کے ہیں۔

پہلی بات پسند آئی اور حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ لاجواب تھا۔ ریحانہ محمد یاسین، لطیف آباد

ہمیشہ کی طرح جاگو جگاؤ کی باتیں دل کو لگیں۔ لطائف سب ہی گھسے پٹے تھے۔ بہتر ہے آپ لطائف کا صفحہ کم کر دیں۔ اس کی جگہ کوئی اچھا سا سلسلہ شروع کریں۔ صوفیہ محمد حسین، نگریا، کراچی

تمام کہانیاں، لطیفے، مضامین بہت پسند آئے۔ محمد ندیم اسلم، لاہور

کہانیاں، مضامین، جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول مجھے بہت پسند آئے۔ اور نظمیں بھی ایک یادگار تحفہ ہیں۔ غلام مصطفےٰ زاہد، شیخوپورہ

کہانیوں میں سب ہی اچھی تھیں۔ مگر انوکھا کھلونا مجھے بے حد پسند آیا۔ نظمیں بھی اچھی تھیں۔ فرزانہ الطاف، کراچی

میں نونہال عرصہ ۹ سال سے مسلسل پڑھ رہی ہوں اور اس دوران میں نے ہر شمارے کو پچھلے شمارے سے بہتر پایا۔ اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جو ہم سب کی پسند ہو۔ سرورق کی تصویر آپ خود بنواتے ہیں یا نونہال بھیجتے ہیں۔ روبینہ شیریں، راولپنڈی

خود بنوانا پڑتا ہے، کیوں کہ بڑا مشکل کام ہے۔

سوالات اس دفعہ آسان تھے۔ پیدل چلنا بھی ایک کھیل ہے کافی معلوماتی تھا۔ ناصر احمد، محمد طاہر، حیدر آباد

خاص طور پر حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ" پہلے کی طرح نمبر لے گیا۔ "پہلی بات" جناب مسعود احمد برکاتی کی پڑھ کر دل مسرور ہو گیا۔ شیخ غزالہ قیصر، لاہور

❀ اس رسالے کو پڑھ کر یوں محسوس ہوا جیسے میں نے خاص نمبر پڑھ لیا ہو۔ مجھے نونہال بے حد پسند ہے۔ کہانیاں بہت عمدہ ہوتی ہیں۔
نور حسین، سمن آباد، فیصل آباد

❀ کہانیوں میں یوں بھی ہوتا ہے، بادشاہ اور شہزادہ پسند آئیں۔ اس دفعہ لطیفے بھی بہت اچھے تھے۔ نظموں میں آزادی کا دن اور علم کی روشنی پسند آئیں۔
ثوبیہ اظہر، کراچی

❀ اس دفعہ بھی جاگو جگاؤ حسبِ معمول مفید تھا۔ پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کے نیک جذبات و خیالات ملک کے ہر نونہال اور ہر شہری کے لیے ایک نمونہ ہیں۔ وہ ہر نونہال اور ہر اہلِ وطن کو ایک احساسِ ذمے داری دلانا چاہتے ہیں۔ ایک ایسی ذمے داری جس سے آج کل کے اکثر افراد کنارہ کشی اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب کو ان کے نیک عمل میں کامیابی عطا فرمائے۔

ملک سرور احمد، کراچی

❀ سرورق کوئی خاص نہ تھا۔ باقی سارا رسالہ بہت پسند آیا۔

سید علی اسد، اسلام آباد

❀ سرورق بہت اچھا لگا۔ تمام کہانیاں اور نظمیں پسند آئیں۔ صفحہ نمبر ۱۸ پر "نازیہ امین" نے حمد "پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور" اردو کی چوتھی کتاب سے نقل کی ہے۔ مرزا محمد ظفر اقبال، فیصل آباد۔ عابدہ ریاض، اسلام آباد

> نازیہ محمد امین کی "نیک نامی" خوب ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک سال کے لیے ان کا نام نوٹ کر لیا گیا۔

❀ اس ماہ بھی نونہال عمدہ رہا مگر صفحہ نمبر ۷۹ پر کہانی لالچ بری بلا ہے سندھی کی چھٹی جماعت کی کتاب سے نقل شدہ تھی۔

رختاج، حامد احمد، اقبال الحق، محمد علی، کراچی۔ محمد نعیم میمن، حیدر آباد۔

> یہ صورت نقل میں شمار نہیں ہوتی بلکہ اسد چودھری، کراچی نے سندھی سے ترجمہ کیا ہے، لیکن ان کو لفظ ترجمہ اور کتاب کا نام ضرور لکھنا چاہیے۔ آیندہ نونہال اس بات کا خیال رکھیں۔

❀ سید مشتاق احمد شاہ نے نظم جگنو ابصار عبد العلی صاحب کی کتاب بتاشے سے نقل کی ہے جس کے ثبوت کے طور پر میں آپ کو وہ صفحہ ارسال کر رہی ہوں جس پر کہ نظم لکھی گئی ہے۔

ثوبیہ جاوید، فیصل آباد

❀ نونہال ادیب میں رفیق احمد کے مضمون "سائنس اور مسلمان" میں انھوں نے لکھا کہ ورنیہ آلہ بو علی سینا نے ایجاد کیا۔ یہ بات بالکل غلط ہے، کیوں کہ ورنیہ فرانس کے سائنس داں پیئر ورنیہ نے ایجاد کیا تھا اور یہ پیمانہ ان ہی کے نام سے موسوم ہے جس طرح یورپ والے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ تجرباتی سائنس کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی ہے اسی طرح ہمیں بھی یورپ والوں کے جائز دعوے کو تسلیم کرنا چاہیے۔

محمد زاہد احمد، کراچی

> زاہد میاں! ہمیں آپ کی بات سے اتفاق ہے۔

❀ جناب ساجد علی ساجد کا مضمون پیدل چلنا بھی ایک کھیل ہے نے بہت متاثر کیا۔ کہانیاں اور لطیفے بھی اپنی جگہ پر خوب تھے۔

شاہد احمد خانخیلی، سجاول، عبدالرشید تبسم، حاصل پور

❀ میں نونہال کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں کیا کروں؟

طاہر، ملتان

> ہمدرد نونہال ملتان میں آسانی سے مل سکتا ہے، وہیں سے خرید لیا کیجیے تاکہ آپ کو انتظار اور ڈاک میں کھو جانے کی کوفت برداشت نہ کرنی پڑے۔

❀ مجھے نونہال بہت پسند ہے۔ آپ کو کئی خط لکھے مگر کسی کا کوئی جواب نہ ملا۔
ہما عزیز، کراچی

> ہما، تم پتا کو لکھتی نہیں، جواب کیسے دیں۔ آیندہ کسی کا خط جس پر پتا نہیں ہوگا شائع نہیں کیا جائے گا۔

❀ آپ کے رسالے کو میں اس قدر پسند کرتا ہوں کہ آپ اگر تصور بھی کریں۔ تو بھی آپ میری پسند کو نہیں پہچان پائیں گے میں اس کی کہانیاں اتنے شوق سے نہیں پڑھتا جتنا کہ معلومات کے بارے میں پڑھتا ہوں۔
شوکت حسین قادری، کراچی

❀ نونہال مجموعی طور پر اچھا رہا۔ جناب شاکر عثمانی کا تحریر کردہ "انوکھا کھلونا" سیرت و حمیت اور محنت کا درس دیتے ہوئے پسند آیا۔

انوار الحق سومرو، کراچی

❀ نونہال بہت ہی اچھا تھا پڑھ کر بہت مزہ آیا، لیکن رسالہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ پڑھ کر دل کرتا ہے کہ رسالہ خوب بڑا سارا ہونا چاہیے۔
شبانہ زیدی، شازیہ زیدی، راولپنڈی

✖ نونہال "مور" کے لیے کیا کوئی خاص کاغذ استعمال ہوتا ہے، کیوں کہ ہم نے بہت سی تصویریں بھیجی ہیں مگر ابھی تک شائع نہیں ہوئیں۔ نیلوفر تبسم، اسلام آباد

سفید کاغذ پر سیاہ روشنائی سے تصویریں بنائیں۔

✖ نونہال میں آج کل کے نوجوانوں کو راہِ راست پر لانے کی تمام چیزیں ہوتی ہیں۔ نونہال کا مطالعہ دماغی سکون اور قلب کی ٹھنڈک کا باعث بنتا ہے۔ اس کی تحریروں میں ایک خاص قسم کی کشش اور محبت کی چاشنی ہوتی ہے۔ محمد شاہد رزاق، کراچی

✖ آپ قدرتی مناظر اور دوسرے ملکوں کی نادر تصاویر شائع کیا کریں کیوں کہ اب آپ جو ٹائیٹل پیش کرتے ہیں وہ واقعی اس رسالے کے شایانِ شان نہیں۔ اس قدر بہترین، مقبول ترین اور اچھے رسالے کا ٹائیٹل بھی اس کی کہانیوں، معلومات، جاگو جگاؤ، تحفوں، انسائکلوپیڈیا کی طرح لاجواب ہونا چاہیے۔ محمد نعیم چاند، لاہور

✖ آپ نے چائے پر ہمزہ نہیں لگایا ہے چاے لکھا ہے کیا اس طرح سے لکھنا صحیح ہے؟ اس سے پہلے بھی ایسا لکھا ہوا میں نے اسی رسالے میں دیکھا ہے۔ جواب دے کر مطمئن کر دیں کیوں کہ ہم لوگ اس رسالے کو مستند سمجھتے ہیں۔ شمیم عبداللہ، کراچی

جی ہاں "چاے" میں ے کافی ہے، کیوں کہ یہ ہمزہ کا بدل ہے۔ ے کے بعد ہمزہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

✖ سارا رسالہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس دفعہ تو رسالہ بہت ہی خوب صورت تھا۔ سید رفیع اللہ شہاب، صوابی

✖ مجھ کو بتائیے کہ ایک ماہ کے بارہ کوپن دوں تو آپ مجھ کو کتاب دیں گے؟ ذیشان علی منگی، نواب شاہ

میاں ذیشان! بارہ کوپن چاہے کسی ماہ کے ہوں انعام کے مستحق ہوں گے۔

جگہ کی کمی کے باعث ان نونہالوں کے نام

کراچی: وسیم صادق، محمد رفیق، محمد حنیف، فرحت جبین، محمد آصف، شہلا تبسم، صابر اختر، اطہر علی خان، محمد سہیل خان، محمد شبر، اسلام شیخ، قمر جہاں، عظمیٰ ناز، مرزا محمد ثاقب، مجتبیٰ علی خان، ندیم محمد خان، رانا شکیل احمد، ظفر علی، سید ابوالحسن نقوی، اسلم قاسم ناگوری، محسن سعید، ذاکر حسین، افتخار احمد قریشی، شیریں پروین، محمد یوسف، سید سبطِ شبر زیدی، عامر حسین حیدری، وسیمہ ناہید، رئیس احمد قدیر، شائستہ وجاہت، معظم ناہید، ساجد اللہ، سید عامر علی، مجاہد حسین انصاری، محمد منیر ثاقب، محمد جاوید عبدالغفور، داد محمد بہادر، محمد اصغر خان، سید عرفان خان، عظمیٰ بنتِ رؤف، یحییٰ خان بلوچ، محمد محسن مرزا، سیما امین۔ بہاول پور: جمشید اقبال قریشی۔ حیدرآباد: عرفان مقبول۔ ملتان: ہارون صدیقی ہنی، سید شمیم احمد۔ لاہور: شازیہ صابر، ثمینہ میمونہ، ابد، عثمان اللہ خان، فیصل علی گیلانی، اشفاق احمد، حفیظ احمد، ریاض احمد، شازیہ نورین۔ نواب شاہ: محمد افضل راجپوت۔ راولپنڈی: شازیہ سلیم۔ اسلام آباد: عدنان دلدار، نبیلہ عبداللہ بلوچ،

حیدرآباد: محمد اشتیاق شیخ، میجر اکرام علی، آصف اقبال، کاشف راجپوت بھٹی۔ عارف آباد: خالد حسین۔ ٹنڈو آدم: محمد افضل انصاری۔ شکارپور: ایم فہیم شیخ۔ چمن: سید عبدالوہاب۔ سیال کوٹ: افتخار احمد۔ خانیوال: اصغر علی رانا۔ بہاول نگر: سید اشعر منور۔ گھوٹکی: وسیم احمد اشعر۔ اسلام آباد: معاذ نیازی۔ گوجرانوالہ: محمد سعید۔ مردان: محمد عاصم۔ لاڑکانہ: میاں احمد رضا۔ سیالکوٹ: محمد جمیل۔ سرائے سدھو: محمد حسین شاد۔ شجاع آباد: مسعود احمد۔ روہڑی: شعیب احمد قریشی۔ ڈگری: زاہد اقبال۔ بدین: آصف محمود ملک۔ میاں ڈھیری: زاہد شاد۔ ٹنڈو جام: فرزانہ تبسم اکرام الدین، شبانہ اکرام الدین۔ فیصل آباد: مقبول احمد ابتسام۔ خانیوال: خالد محمود، اصغر علی رانا۔ جمرود: عالمگیر خان آفریدی۔ عارف آباد: محمد ریاض انصاری۔ فتح جنگ: شکیل احمد۔ بدین: محمد فہیم خان بلوچ۔ منڈہ: شمس الدین کھتری۔ تلہ گنگ: محمد آصف حیات۔ کمالیہ: ساجد کمالوی۔ راجن پور: زاہد سلیم۔ خیر پور: پرنس نور محمد۔ ڈیرہ غازی خان: راحت حسین۔ خیر پور میرس: محمد اقبال چنا۔ عمر گڑھ: نسیم اختر رفیق۔

معلومات عامہ ۲۳۲ کے صحیح جوابات

۱ ۔ قرآن حکیم کی وہ سورت جس میں حرف م نہیں آیا سورۃ کوثر ہے ۔
۲ ۔ بادشاہ جہانگیر کا نام حضرت شیخ سلیم الدین چشتیؒ کے نام پر رکھا گیا تھا ۔
۳ ۔ مشہور افسانہ نگار، شاعر اور صحافی جناب احمد ندیم قاسمی کا اصل نام احمد شاہ ہے ۔
۴ ۔ مشہور شاعر اختر شیرانی کا نام محمد داؤد خان تھا ۔ (اصل میں ہم نے سوال یہ کیا تھا کہ "مشہور شاعر اختر شیرانی کے والد بہت بڑے محقّق تھے، نام بتائیے" لیکن کتابت میں "کے والد" کے الفاظ رہ گئے اور سوال اختر شیرانی کے متعلق ہو گیا، لیکن اختر شیرانی محقّق نہیں تھے ۔ اختر شیرانی کے والد واقعی بہت بڑے محقّق تھے اور ان کا نام پروفیسر حافظ محمود شیرانی تھا ۔ غلطی کا ہمیں افسوس ہے ۔)
۵ ۔ "سورج ایک سیارہ ہے" یہ بیان صحیح نہیں ہے ۔ سورج ایک ستارہ ہے ۔
۶ ۔ لوند کا سال (لیپ ایئر) وہ سال کہلاتا ہے جس میں ۳۶۵ کے بجائے ۳۶۶ دن ہوتے ہیں اور فروری کا مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے ۔ لوند کا سال چار سے پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے، جیسے ۱۹۸۴ء ۔ (صحیح لفظ "لوند ہے لون نہیں)
۷ ۔ پاکستان کا سب سے بڑا شہری اعزاز " نشانِ پاکستان " ہے ۔
۸ ۔ نوبیل انعامات سب سے پہلے ۱۰ ۔ دسمبر ۱۹۰۱ء کو تقسیم کیے گئے تھے ۔
۹ ۔ مشہور کھلاڑی اصلاح الدین، بین الاقوامی ہاکی ٹورنامنٹ سے ۱۳ ۔ جنوری ۱۹۷۹ء کو ریٹائر ہوئے تھے ۔
۱۰ ۔ ناول "پریشر ککر" اردو کے مشہور ادیب جناب صدیق سالک کی تصنیف ہے ۔
۱۱ ۔ جاپان میں پہلا ایٹم بم ۱۹۴۵ء میں پھینکا گیا تھا ۔
۱۲ ۔ سورج چاند سے ۴۰۰ گنا بڑا ہے ۔

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

تسنیم ناز انصاری، کراچی دردانہ سعید کراچی محمد عباس جعفری کراچی ندا عروج انصاری کراچی سید عمیر رضا شاہ، ٹنڈو الہ یار
سید معیز الدین " ریحانہ سعید " جعفر عباس جعفری " اسلام الدین انصاری " سلیم الدین، ٹنڈو آدم
محمد اصغر خان " ملکہ جعفری " صبا عروج انصاری " صابر عنایت ٹنڈو الہ یار محمد وسیم شیخ "
محمد حنیف " رضوانہ سعید " شگفتہ علیم انصاری " محمد اسلم شیخ " عبدالجلیل جروار، گوٹھ خیر محمد جروار
مشتاق رحمت اللہ " ضیغم عباس جعفری " محمد ادریس انصاری " شہزادہ فیصل " عالیہ نزہت، سکھر

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

محمد رفیق، کراچی | عبدالجبار، کراچی | شکیل احمد، جروار جبر الجبلی | نازیہ ممتاز صدیقی، کراچی | معراج احمد، کراچی | سہیل احمد قریشی، کراچی

سید عامر رضا شاہ، ٹنڈو الہ یار | اویس مبارک، سکھر | مقبول احمد خان، حیدر آباد | چمن زیب، کراچی | محمد وسیم آرائیں، کراچی | سید عاصم رضا شاہ، ٹنڈو الہ یار

فضل الرحمن، کراچی | محمد امین، کراچی | سید محمد سلیم اقبال بخاری، کراچی | محمد شاکر انصاری، کراچی | سید محمد اختر عبدالخالق، کراچی | سید شہزاد عالم، کراچی

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی | اسد حسن | ساجدہ شمع نور | ماریہ فرید سلطان فرید
رباب فاطمہ | نعیم الحسن | عبدالحفیظ بابو | نادیہ فرید سلطان فرید
کہکشاں ترنم | افشاں تبسم | فبیہ فرید سلطان فرید | ثروت ابدالی
گلشن آرا | عابدہ صبا نور | نعمان فرید سلطان فرید | سمن توقیر

رضوان عاشقین	عظمیٰ اقبال	عالیہ انجم	محمد ذاکر قریشی
حمیرا گوہر	شاہد اقبال شاہد	پرنس حبیب الرحمٰن قریشی	سید نوید علی شاہ
انجم پروین	آمنہ جمال	محمد امین سیف الملوک	وسیم قریشی
شہناز فاطمہ نقوی	امیر زیب خاں سواتی	ہری پور ہزارہ	امیر علی قائم خانی
عظمیٰ محمد سعید	امتیاز احمد خان	سہیل کاظمی	خیرپور میرس
نجمہ عبدالمجید	قیصر فاروقی قیصر	افشاں ریاض	قدیر محمد صدیقی
ممتاز احمد	سلیم انور عباسی	بشیر احمد	توقیر محمد صدیقی
شہناز فاطمہ	عندلیب سرور	قاضی ضیاء اسلام	لاہور
سید رفعت علی	ظفر احمد عثمانی	خورشید احمد بوبی	شیخ شاہد رفیق
نازیہ رمضان	آفرین سلیم	اسلام آباد	میرپور خاص
سید مدثر حیدر	حیدر آباد	طیبہ مختار	سید علی یاسر عباس نقوی
ملک ظفر احمد	مسعود احمد	طارق عزیز	سکھر
ملک سعید طارق	سہیل اختر خان	نواب شاہ	شفاء الحسن انصاری
محمد عظیم	بابر رحمٰن مہرانی	انیلا رجب علی	فیصل آباد
سید قمر رضا رضوی	محمد صابر حسین	محسن رجب علی	نیاز محی الدین
عبدالجبار	سانگھڑ	شبیر حسن رجب علی	کوئٹہ
ناہید سلطانہ	غلام رسول پارس	ٹنڈو الہ یار	صفیہ صباحت
صنوبر اقبال	قذافیہ بلو	محمد شہزاد علیانہ	محمد ساجد طاہر، ملکوال

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

نشاط انور، کراچی | احمد اویس ظفر، سکھر | محمد معراج الدین، کراچی | وسیم احمد صدیقی، کراچی | شاہینہ ناز، کراچی | ناصر خان، حیدر آباد

فائق احمد ظفر، سکھر | سید ثمر عباس زیدی، کراچی | راشد اختر، کراچی | شاہد اختر، کراچی | شیر بہادر افغانی شیرزادہ، کراچی | سید محمد رضا رضوی، کراچی

محمد شفیق ملک، تلہ گنگ

سید مظفر رضا، کراچی

آصف اقبال آگریا، کراچی

سید علی رضا کاظمی، کراچی

سید علی رہبر زیدی، لاڑکانہ

ملک منظر احمد، کراچی

ضیاء الحق، کراچی

یوسف راجپوت، کراچی

سید محمد حسین عباس رضوی، کراچی

شجاع احمد قریشی، کراچی

فاروق عمر خان، ٹنڈو اللہ یار

محمد اسد خان، کراچی

محمد الیاس سلطان، احمد پور شرقیہ

عبدالرزاق ندیم، کراچی

سید کاظم رضا جعفری، کراچی

محمد فرحان یعقوب، کراچی

اللہ داد خان، کراچی

محمد رضوان معین، کراچی

محمد ارشد خان، کراچی

شیخ سلمان صدیقی، حیدرآباد

کامران سلیم، کراچی

شایان سلیم، کراچی

اسد اللہ جعفری، کراچی

سید اختر رضا رضوی، کراچی

جاوید حسین، کراچی

محمد بابر راجپوت، حیدرآباد

نوید احمد خان، حیدرآباد

محمد عارف فاروقی

محمد کامران یعقوب، کراچی

سید ندیم رضا، خیر پور میرس

ملک مسرور احمد، کراچی

محمد برکت، کراچی

محمد جاوید، کراچی

عبداللہ جان، کراچی

رضوان علی، کراچی

کامران آصف، کراچی

سید محمد جاوید اقبال، کراچی

محمد جاوید، کراچی

ریحان جمیل، کراچی

محمد احسن ملک، لاہور

اعجاز نیاز شیخ، سکھر

ہارون احمد ملک، لاہور

تبسم ناز، کراچی

نوشاد انور، کراچی

سید ندیم، کراچی

سید شبر رضا رضوی، کراچی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

رضیہ بنت فخر الدین
محمد ہاشم منصوری
محمد قمر السلام
لبنیٰ مستقیم
محمد خالد رانا
سیف الدین سیف
کامران شاد
محمد جمیم
عشرت لحانی
اظہر عالم قریشی
ثمرین حمیرا صدیقی
سید زین العابدین زیدی
سید عمار یاسر زیدی
آفتاب عالم
محمد سمیع محسن
سیما ہاشم

احمد زماں
سید نجم الحسن عابدی
رخسانہ قمر
انیس گل واسطی
ایم عمران خان بٹ
نائلہ
سید سجاد خوشنود
سید فیصل علی سبزواری
امیر حسین
شمیم عبداللہ
سید قاسم رضا
مصطفیٰ معز
فخر الدین ہاشم
یاسر خالق
سنجی زمان
سید ظلِ ہما
ایم اسلم خان

ایم شاہد خان جدون
رانا طارق رشید
رشیدہ بانو
عمران خان جدون
ندیم احمد صدیقی
عذرا خاص خیلی
نور جہاں خاص خیلی
سلمیٰ خاص خیلی
فرزانہ خاص خیلی
ہلال نصر
ایم جابر شاہ
شاہ احمد عطا
سانگھڑ
ایم جاوید غوری
شہزاد فقیر محمد سفری
فرید احمد قریشی
شہزادہ سفری بابا

محمد الیاس رضا
شاہد حسین خاص خیلی
رضا محمد خاص خیلی
ایم جبار خاص خیلی
محمد جاوید خاص خیلی
خالد حسین خاص خیلی
ناصر علی جانی قریشی
غلام نبی منصوری
ساجد خاص خیلی
راحت خاص خیلی
وقاص خاص خیلی
محمد ادریس خاص خیلی
پرنس ہاشم غوری
رام چند
حیدر آباد
محمد زاہد حبیب قریشی
محمد رفیق

محمد اکرم	لاہور	روہڑی	تحصیل تھل
محمد ارشد	شیخ الیاس احمد	اظہر حسین	شبیر احمد داؤد پوٹہ
شکیل احمد	عتیق الرحمن	ہری پور	ٹنڈو آدم
سعدیہ زہرا	ٹنڈو الہ یار	صائمہ اکرم	محمد ندیم شیخ
ساجد سعید	امیر علی قائم خانی	بہاول پور	محمد صدیق صابری، سوڈی گوجر
سلمان گل خان خٹک	نوید حکیم خان کھوکھر	ساجد سہیل	رضا اسلم، سرائے عالمگیر
راول پنڈی	خیر بلور میرس	اسلام آباد	فیصل آباد
غزالہ رُخ	حسن جواد سومرو	وسیمہ جمال	محمد جاوید اقبال ناز
عدنان جہانگیر شیخ	محتشم سعود میر خان	روہڑی	میون دلشاد، شہر کلوٹی
سید حسنات گیلانی	گوٹھ عبد الرحیم کنزانی	جیوترام جے بجاج	محمد عبد الباسط، سیال کوٹ
ساہیوال	سید مشتاق احمد شاہ	جھنگ	محمد فیاض، کھلابٹ ٹاؤن شپ
محمد عمران ظہور	گوٹھ فیروز خان بلوچ	مظہر رشید انصاری	محمد صدیق بوان، بچھراں
فرحان احمد	سید عبد الفتاح شاہ	بے وفا یا ابو شیوا رام سالمی، مقام نامعلوم	محمد طارق زبیر، تحصیل گوجرہ

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

سید ساجد حسین، کراچی | فہیم احمد صدیقی، کراچی | توصیف احمد، کراچی | محمد سلیم ناز، سنجھورو | شاکر علی منصوری، سانگھڑ | عابد، کراچی

عمران اختر، کراچی | عبد الشکیل، کراچی | امان اللہ آفریدی، کراچی | جاوید حکیم خان کھوکھر، ٹنڈو الہ یار | لطیف حیدر رضا عقیلی، سانگھڑ | دردانہ قادری، کراچی

حفیظ الرحمن خانزادہ، حیدرآباد | شازیہ قادری، کراچی | حیدر علی، کراچی | طاہر علی، کراچی | پرویز طفیل، فیصل آباد | کامران نفیس، کراچی

عقیل الرحمٰن صدیقی، کراچی

محمد نجم الحق، کراچی

امتیاز احمد، کراچی

عمران اختر، ایبٹ آباد

رانا سبحان اشرف، کراچی

اشرف صدیقی، کراچی

تبسم صمدانی، کراچی

آمنہ بیگم، کراچی

محمد عمران غوری، کراچی

نوید سجاد، کراچی

محمد اجمل خان، کراچی

محمد خورشید، کراچی

ایم طارق خان جدون، کراچی

مدد خان، کراچی

افتخار احمد، کراچی

صابر اختر، کراچی

زاہد منور حسین وارثی، کراچی

سید علی اسد، اسلام آباد

عمران علی، کراچی

غلام مرتضیٰ غوری، ملتان

ثمینہ یوسف حسین، اسلام آباد

محمد ناصر، کراچی

پرنس فہیم نبی خان، کراچی

عدنان علی، کراچی

طارق اشرف آرائیں، نوابشاہ

محمد عارف اقبال، کراچی

علی حیدر، لاڑکانہ

ایم صادق پرنس، کراچی

لطیف خان خٹک، پشاور

ذوالفقار علی سفری بابا، سانگھڑ

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

ثوبیہ ارم — عمران رشید — شکیل الرحمٰن صدیقی — افشاں حسین

شازیہ کنول — محمد عاصم صدیقی — سید احفاد حسین

عائشہ عنبرین
سید عرفان
محمد طارق آفتاب
عظیم الدین
فوزیہ ادم
شمع محفوظ خان
شہنیلا عبدالستار
فوزیہ سردار
عائشہ نورین
مجیب ظفر انوار
بشریٰ ظفر انوار
روبینہ خلیل
وسیم صادق
سید اعزاز شکیل کرمانی
انوارالحسن انصاری
سہیل احمد ضیا
محمد کاشف خان
نیر خلیل
ندیم احمد صدیقی
طلعت عذرا
عنبرین نجم
فریحہ تبسم
فرحان صغیر
ظفر حسین
سید خالد حیدر
رئیس الحق عدنان
صنوبر نجم
نورالھدیٰ
سید سلیم احمد شاہ
سید فیصل احمد بخاری

سید فہد احمد بخاری
محمد سلیم انصاری
خالد مسعود
مرزا امتیاز بیگ
فرقان ہاشمین
عمران احمد نعمانی
ازہر محمود عالم عثمانی
محمد سہیل فراز
محمد عمران الحق
نقیب احمد وزیر
وقار عظیم
محمد احمد
جلال الدین
مظہر عباس
ریحانہ صدیقی
محمد محبوب الرحمٰن
امام اسجد نظیر
عرفان محمود زبیر
حیدر آباد
سید منظر حسین رضوی
سید منور حسین رضوی
کھتری حامد علی
محمد طاہر خانزادہ
ریاض (سعودی عرب)
سید رضا حسن
سید فرخ حسن
عظمیٰ صدف
لاہور
صوفیہ صابر
فاطمہ سجاد

لاڑکانہ
محمد جبریل عالم
انیس فاطمہ جعفری
محمد زر نگار عالم
فیصل آباد
روح اللہ
شہزاد سعید
ملک سیف اللہ
سکھر
سید راشد حسین زیدی
عظمیٰ اسماء ملک
سعدیہ انجم
ہری پور ہزارہ
عائشہ اکرم
عنایت اللہ وسیم غزن
ملتان
ایاز احمد
محمد رؤف احمد
راول پنڈی
مبشر ہارون احمد
منذر ہارون احمد
ٹنڈو جام
محمد ارشد آزاد
صدیق خان
محمد خان
عظمت اللہ
ناصر علی
شہزاد علی
عارف حشمت
جمیل احمد مغل

سانگھڑ
پرنس ہاشم غوری
ریاض الدین منصوری
طالب علی
سید نوید علی ہاشمی
مقام نامعلوم
مقبول احمد
پرویز احمد
شبانہ پروین
حیدر آباد
شارق رمضان علی خواجہ
مختلف شہر
سمیعہ، جڑانوالہ
زاہد اقبال، ڈگری
انیلا افتخار، بہاول نگر
ٹنڈو آدم
محمد ندیم شیخ
بدین
آصف محمود ملک
ایبٹ آباد
وقار احمد
جام شورو
شجاعت مجید
پاکپتن
غزالہ نورین
نوید ظفر انوار، کراچی

حکیم محمد سعید، پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی ۱۸ سے شائع کیا۔

آوازِ اخلاق وقت ایسی زمین ہے جس میں محنت کے بغیر کچھ نہیں پیدا ہوتا!

روح افزا کا منفرد مقام
محنت و مہارت کا انعام
رُوح افزا مشروبِ مشرق
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

منفرد خوبیوں اور خواص کا حامل مشروبِ مشرق رُوح افزا تیار کرنے کا ہُنر صرف ہمدرد کے پاس ہے۔

دوسرے مشروبات کا رنگ تو سُرخ ہو سکتا ہے لیکن وہ بہ لحاظ ذائقہ، خوشبو اور تاثیر رُوح افزا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ صرف رُوح افزا ہی رُوح افزا ہے۔

آوازِ اخلاق
بدزبانی ذہن کا سرطان ہے

Adarts/84